لِیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی

النور

جماعتہائے احمدیہ امریکہ

اداریہ

سلامتی اس کا مقدر ہے

ہمارے سید و مولا، خاتم الانبیاء حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ السلام کے ظہور کی خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا

«اَلاَ مَنْ اَدْرَکَہُ فَلْیَقْرَأْ عَلَیْہِ السَّلاَمَ.»

کہ غور سے سنو جسے بھی ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہو انہیں میرا سلام ضرور پہنچائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک اپنے اندر بہت سے پیغامات رکھتا ہے۔ اس ارشاد مبارک سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بلند مرتبہ و مقام پر بھی روشنی پڑتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس عظیم روحانی فرزند سے جو خاص محبت اور پیار کا تعلق تھا وہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو نصیحت فرماتے ہیں کہ دیکھو جب مسیح موعود ظاہر ہوگا تو چونکہ وہ میرے بعد میری امت میں میرا خلیفہ ہوگا اس لئے تم اس پر ایمان لاکر اسے سلام کے تحفے پیش کرنا اور اس کے کاموں میں اس کے معاون اور مددگار بننا اور ان لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اسکی تکفیر و تکذیب پر آمادہ ہونگے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح موعود کو السلام علیکم پہنچایا یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک پیش گوئی ہے نہ عوام

THE AHMADIYYA GAZETTE IS PUBLISHED BY THE AHMADIYA MOVEMENT IN ISLAM, INC., AT THE LOCAL ADDRESS 31 Sycamore St. P. O. Box 226, Chauncey, OH 45719. PERIODICALS POSTAGE PAID AT CHAUNCEY, OHIO 45719.
Postmaster: Send address changes to:
THE AHMADIYYA GAZETTE
P. O. Box 226
Chauncey, OH 45719-0226
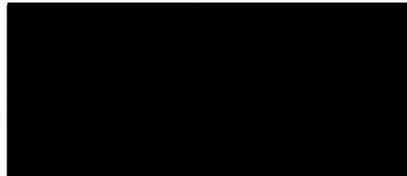
لِیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی
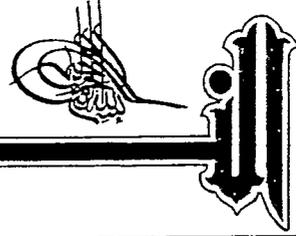
النور

جماعتہائے احمدیہ امریکہ

مارچ ۱۹۹۹ء — امان ۱۳۷۸ ہش

فہرست مضامین

قرآن مجید	۳
حدیث	۴
ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام	۵
خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ فروری ۱۹۹۹ء	۶
خطبہ عید الاضحیٰ ۱۹۹۷ء	۷
۱۸۹۹ پر ایک اجمالی نظر	۱۲
ذکر حبیب	۱۴
محترمہ امۃ الرشید شوکت صاحبہ انتقال فرما گئیں	۲۰
لقاء مع العرب	۲۱
سلسلہ احمدیہ کی ترقی اور ثناء اللہ صاحب کی ناکامی کا اعتراف	۲۹
دعائے استخارہ۔ راست بازوں کا ایک طریق	۳۰
حاصل مطالعہ	۳۲
حج۔ اسکی اہمیت۔ اسکا فلسفہ اور اسکے احکام	۳۴
ملاؤں کی فتنہ انگیزی اور شر پسندی	۴۲

نگران — صاحبزادہ مرزا مظفر احمد امیر جماعت امریکہ

مدیر — سید شمشاد احمد ناصر

القرآن الحکیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾
یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾
ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳﴾
وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۴﴾
ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۵﴾
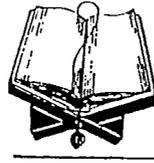
(میں) اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے (پڑھتا ہوں)
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اس (اللہ) کی جو بادشاہ بھی ہے اور پاک (بھی) ہے اور سب خوبیوں کا جامع) ہے اور غالب (اور) حکمت والا ہے۔
وہی خدا ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف انہی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے گو وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے۔
اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی (وہ اسے بھیجے گا) جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔
یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

بقیہ صفحہ ۱

کی طرح معمولی سلام۔ اور پیش گوئی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بشارت دیتے ہیں کہ جس قدر مخالفین کی طرف سے فتنے اٹھیں گے اور کافر و دجال کہیں گے اور عزت اور جان کا ارادہ کریں گے اور قتل کے لئے فتوے لکھیں گے خدا ان سب باتوں میں ان کو نامراد رکھے گا اور تمہارے شامل حال سلامتی رہے گی۔ اور ہمیشہ کے لئے عزت اور بزرگی اور قبولیت اور ہر ایک ناکامی سے سلامتی صفحہ دنیا میں محفوظ رہے گی جیسا کہ السلام علیکم کا مفہوم ہے"۔ (تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد ۱۷، ص ۴۵ حاشیہ)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی بھی نہایت عظمت اور شان کے ساتھ پوری ہوئی بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ کے دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود کے بعد ایسا ہی ظہور میں آیا۔ مخالفین کی طرف سے تکفیر و تکذیب کا ایک شور دنیا میں ڈالا گیا۔ آپکے خلاف حکام کو اکسایا گیا، جھوٹے مقدمات بنائے گئے اور قتل کے فتوے دیئے گئے۔ سراسر جھوٹ اور افتراء سے کام لیتے ہوئے عوام الناس کو آپ سے اور آپ کی جماعت سے بیزار کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ کی مخالفت کے جوش میں مولویوں نے باہم ایسا اتفاق کیا کہ انہیں باہمی اختلافات بھی بھول گئے اور دوسری قوموں کے پنڈتوں اور پادریوں کو بھی حتی الوسع اپنے ساتھ ملا لیا اور زمین آپ کی دشمنی کے جوش سے یوں بھر گئی جیسے کوئی برتن زہر سے بھر جائے۔ غرضیکہ آپ کو ذلیل اور ہلاک کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائی گئی۔

لیکن جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "فَلْیَقْرَأْ عَلَیْهِ السَّلَامَ" کے مبارک الفاظ میں مسیح موعودؑ کے حق میں سلامتی کی بشارت دی تھی آپ کے تمام مخالف مولوی اور ان کے ہم جنس اپنی کوششوں میں ناکام و نامراد رہے۔ وہ جو آپ کی ہلاکت اور آپ کی ذلت اور ادبار کے درپے تھے وہ خود ہلاک ہوئے اور ذلت و رسوائی ان کے حصہ میں آئی اور ہر ایک تیر جو آپ پر چلایا گیا خدا تعالیٰ نے وہی تیر دشمنوں کی طرف واپس لوٹا دیا۔ جماعت احمدیہ کی سو سالہ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

ابھی چند سال قبل ہی کی بات ہے پاکستان کے مطلق العنان فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق نے ایک نہایت ظالمانہ آرڈیننس جاری کیا جس کی رو سے بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے "علیہ السلام" کی اصطلاح استعمال کرنے کی صورت میں احمدیوں کے لئے بھاری جرمانے اور شدید قید و بند بلکہ موت تک کی سزائیں تجویز کی گئیں۔ اس کا یہ اقدام رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح حکم "فَلْیَقْرَأْ عَلَیْهِ السَّلَامَ" کی صریح نافرمانی پر مبنی تھا ــــ نتیجہ کیا نکلا؟ وہ بدنصیب خود ہمیشہ کے لئے سلامتی سے محروم کر دیا گیا اور نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ اس طرح نابود ہوا کہ اس کا جسم بھی سلامت نہ رہا اور جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

ہوا آخر وہی جو تیری تقدیر — بھلا چلتی ہے تیرے آگے تدبیر
خدا نے ان کی عظمت سب اڑا دی — فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِی

اے کاش کہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تخفیف کی نگاہ سے نہ دیکھیں بلکہ دل و جان سے اس کی عزت اور قدر کرتے ہوئے مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام پر ایمان لا کر آپ پر درود و سلام بھیجیں اور ان برکتوں سے حصہ پائیں جو اطاعت رسول سے وابستہ کی گئی ہیں۔

احادیث النبی ﷺ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ نَزَلَتْ عَلَیْهِ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ فَلَمَّا قَرَأَ: وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ، قَالَ رَجُلٌ مَّنْ هٰؤُلَآءِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَلَمْ یُرَاجِعْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی سَأَلَهُ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا قَالَ وَفِیْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ قَالَ: فَوَضَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَهُ عَلٰی سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ: لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَآءِ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعۃ و مسلم)

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپؐ پر سورۃ جمعہ نازل ہوئی۔ جب آپؐ نے اسکی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ پڑھی جس کے معنے یہ ہیں کہ "کچھ بعد میں آنے والے لوگ بھی ان صحابہ میں شامل ہوں گے جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔" تو ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جو درجہ تو صحابہ کا رکھتے ہیں لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔ حضورؐ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس آدمی نے تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی ؓ ہم میں بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا کے پاس بھی پہنچ گیا یعنی زمین سے اُٹھ گیا تو ان لوگوں میں سے کچھ لوگ اسکو واپس لے آئیں گے (یعنی آخرین سے مراد ابنائے فارس ہیں جن میں سے مسیح موعودؑ ہوں گے اور ان پر ایمان لانے والے صحابہؓ کا درجہ پائیں گے۔

”میں بڑے دعویٰ اور استقلال سے کہتا ہوں کہ میں سچ پر ہوں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں میری ہی فتح ہے۔ اور جہاں تک میں دور بین نظر سے کام لیتا ہوں تمام دنیا اپنی سچائی کے تحت اقدام دیکھتا ہوں۔ اور قریب ہے کہ میں ایک عظیم الشان فتح پاؤں کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے۔ اور میرے ہاتھ کی تقویت کے لئے ایک اور ہاتھ چل رہا ہے جس کو دنیا نہیں دیکھتی مگر میں دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے۔ جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشتی ہے اور آسمان پر ایک جوش اور ابال پیدا ہوا ہے جس نے ایک پتلی کی طرح اس مشت خاک کو کھڑا کر دیا ہے۔ ہریک وہ شخص جس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں عنقریب دیکھ لے گا کہ میں اپنی طرف سے نہیں ہوں۔ کیا وہ آنکھیں بینا ہیں جو صادق کو شناخت نہیں کر سکتیں۔ کیا وہ بھی زندہ ہے جس کو اس آسمانی صدا کا احساس نہیں“۔

(روحانی خزائن جلد ۳ ازالۂ اوہام صفحہ ۴۰۳)

”یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے خدا اس کو ہرگز ضائع نہیں کریگا وہ راضی نہیں ہو گا جب تک کہ اس کو کمال تک نہ پہنچا دے۔ اور وہ اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کے گرد احاطہ بنائے گا۔ اور تعجب انگیز ترقیات دے گا۔ کیا تم نے کچھ کم زور لگایا۔ پس اگر یہ انسان کا کام ہوتا تو کبھی کا یہ درخت کاٹا جاتا۔ اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہتا“۔

(روحانی خزائن جلد ۱۱ انجام آتھم صفحہ ۶۴)

”زمین کے لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ شاید انجام کار عیسائی مذہب دنیا میں پھیل جائے یا بدھ مذہب تمام دنیا پر حاوی ہو جائے مگر وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ یاد رہے کہ زمین پر کوئی بات ظہور میں نہیں آتی جب تک وہ بات آسمان پر قرار نہ پائے۔ سو آسمان کا خدا مجھے بتلاتا ہے کہ آخر کار اسلام کا مذہب دلوں کو فتح کرے گا“۔

(روحانی خزائن جلد ۲۱ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۴۲۷)

علوم کے اس زمانے میں آیت الکرسی کے مضامین کو روشن کرنے کی ضرورت ہے

علوم کے جو باب تاریخ نے ہمارے سامنے کھولے ہیں ہر نئے باب کھلنے کا اس آیت کریمہ سے تعلق ہے

احادیث نبویہ اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی روشنی میں آیت الکرسی کے مضامین کا نہایت پرمعارف اور بصیرت افروز تذکرہ

(خلاصہ خطبہ جمعہ ۱۲/فروری ۱۹۹۹ء)

لندن (۱۲ر فروری) : سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج خطبہ جمعہ مسجد فضل لندن میں ارشاد فرمایا۔ تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آیت الکرسی (سورۃ البقرہ :۲۵۶) کی تلاوت کی اور پھر اس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی صفات عظیمہ کا نہایت دلکش اور پر معارف ذکر کرتے ہوئے اس کی تشریح و تفسیر بیان فرمائی۔ اور اس آیت کریمہ کے الفاظ کے باہمی ربط و تسلسل اور مضمون کے نظم و نسق کا ذکر فرمایا۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ حی و قیوم ہے اور اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ حضور نے فرمایا کہ نَوم اونگھ کی اگلی شکل ہے۔ کہتے ہیں کہ نَوم یعنی نیند موت کی بہن ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ جس ذات میں کوئی تبدیلی نہ ہو وہ تھک سکتی ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی تبدیلیوں سے پاک ہے اس لئے وہ تھکتا نہیں اور نہ اسے اونگھ یا نیند کی کوئی حاجت ہے۔

حضور انور نے فرمایا کہ دنیائے علم میں جتنا بھی انسان ترقی کرتا ہے یہ بھی خدا تعالیٰ کی تقدیر کے تابع ہے۔ از خود علمی ترقی اس کا ذاتی خاصہ نہیں ہے جب تک خدا تعالیٰ کسی کی صلاحیتوں کو ہر موقع کے لئے خاص اجازت نہ دے کسی علم کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ حضور نے فرمایا کہ علوم کے جو باب تاریخ نے ہمارے سامنے کھولے ہیں ہر نئے باب کھلنے کا اس آیت کریمہ سے تعلق ہے۔ لَایُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔

حضور انور ایدہ اللہ نے فرمایا کہ علوم کے اس زمانے میں آیت الکرسی کے مضامین کو روشن کرنے کی ضرورت ہے اور اسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو روشن فرمایا ہے۔ حضور ایدہ اللہ نے اس آیت کریمہ کے تشریحی ترجمہ و مختصر تعارفی کلمات کے بعد احادیث نبویہ کے حوالہ سے اس آیت کی عظمت و اہمیت کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ اسے آنحضرتؐ نے عظیم ترین آیت فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرہ ہے اور سورۃ البقرہ کی چوٹی یہ آیت ہے۔

حضور ایدہ اللہ نے الحیّ القیوم کے تعلق میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ الحی کے معنے ہیں خود زندہ اور دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا۔ القیوم خود قائم اور دوسروں کے قیام کا اصل باعث۔ حضور ایدہ اللہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کے حوالہ سے الحی ، القیوم کے الفاظ کا سورۃ فاتحہ کے الفاظ **ایاك نعبد و ایاك نستعین** سے ربط اور تعلق کو بھی واضح فرمایا۔ حضور علیہ السلام کے ارشادات عالیہ کے حوالے سے اس آیت کے مطالب کا نہایت پر معارف ذکر جاری تھا کہ خطبہ کا وقت ختم ہو گیا۔

آج ہم جو اپنی اولادیں پیش کر رہے ہیں یا اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں ان کو اسی نیت اور خلوص کے ساتھ پیش کریں جس نیت اور خلوص کے ساتھ ابراہیمؑ نے دعائیں مانگی تھیں اور اپنی آنے والی نسلوں کو پیش کیا تھا

خطبہ عیدالاضحیہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ ۱۸/اپریل ۱۹۹۷ء بمطابق ۱۸/شہادت ۱۳۷۶ ہجری شمسی بمقام اسلام آباد، ٹلفورڈ (برطانیہ)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–
أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –
الحمدلله رب العلمين – الرحمٰن الرحيم – ملك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –
اهدنا الصراط المستقيم – صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

رب هب لي من الصلحين. فبشرنٰه بغلٰم حليم. فلما بلغ معه السعي قال يٰبني اني اریٰ في المنام اني اذبحك فانظر ما ذا تریٰ. قال يابت افعل ما تؤمر ستجدني ان شاء الله من الصٰبرين. فلما اسلما وتله للجبين. و نادينٰه ان يابراهيم . قد صدقت الرؤيا انا كذالك نجزي المحسنين. ان هٰذا لهو البلٰؤ المبين و فدينٰه بذبح عظيم. و تركنا عليه في الآخرين. سلٰم على ابراهيم كذالك نجزي المحسنين. انه من عبادنا المؤمنين

(سورۃ الصّٰفّٰت آیت ۱۰۱ تا ۱۱۲)

یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس دعا کی قبولیت کو ظاہر فرما رہی ہیں جس دعا میں آپ نے صالح اولاد کی التجا کی تھی۔ وہ دعا کیسی تھی، کس تضرع کے ساتھ کی گئی تھی، کس خلوص کے ساتھ وہ دعا مانگی گئی اس کا اظہار قبولیت کے ذریعے سے ہمارے سامنے کیا گیا ہے ورنہ بہت ہیں جو 'ربنا هب لنا من الصٰلحين' یا 'رب هب لي من الصٰلحين' کی دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بھی صالح اولاد عطا فرما مگر ہر ایک کی دعا مختلف رنگ میں سنی جاتی ہے۔

پس سب سے پہلی بات جو قابل توجہ ہے جماعت کے سامنے کھولنی چاہتا ہوں کہ یہ وہ سنت ابراہیم ہے جو مسلسل اس وقت سے چلی آ رہی ہے اور قرآن کریم نے اس کو بارہا مختلف رنگ میں صرف ابراہیم کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ اور انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے بھی پیش فرمایا لیکن ہر دعا کا نتیجہ الگ الگ نکلا اور دعا ایک ہی تھی کہ اے خدا مجھے صالح اولاد عطا فرما۔ تو محض الفاظ پر دعا کی قبولیت منحصر نہیں ہوا کرتی بلکہ کس الحاح، کس خلوص، کس بیقراری اور کامل سپردگی کے ساتھ وہ دعا کی جا رہی ہے اس پر نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس دعا کو کس رنگ میں قبول فرمایا جائے۔ تو الفاظ تو وہی ہیں جو دیگر انبیاء کے حوالے سے بھی ملتے ہیں اور سب مومن بھی یہی دعائیں کرتے ہیں۔ ہمیں صالح اولاد عطا فرما، ہمیں صالح اولاد عطا فرما مگر اس دعا کے بعد پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا نشان اسی حد تک اسی رنگ میں ظاہر ہوگا جس حد تک اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے کے دل پر نظر رکھتے ہوئے یہ معلوم فرمائے گا کہ کس حد تک خلوص کے ساتھ دعا کی گئی ہے۔ اور خلوص کی دعاؤں کے بعد پھر ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی، پھر مسلسل ان دعاؤں کی قبولیت کے ساتھ ایک محنت کا دور ہے جس کا ذکر اس قبولیت کے نشان میں ملتا ہے۔ اس حوالے سے آج ہمارے لئے یہ دعا اسی طرح مشعل راہ ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یا اس سے پہلے یا اس کے بعد تھی مگر ان آیات پر غور کرنے سے ہمیں تربیت کے گہرے اصول بھی معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ کب تک ہماری محنت اور تربیت کا دور جاری رہنا چاہئے۔ واقفین نو کے حوالے سے خصوصیت کے ساتھ میں آج کی اس عید کے خطبے میں آپ کو بعض امور ان آیات کی روشنی میں سمجھانا چاہتا ہوں۔

دعا یہ ہے " رب هب لي من الصٰلحين" اے میرے رب مجھے صالحین میں سے عطا فرما

"فبشرناه بغلٰم حليم" ہم نے اسے ایک حلیم بیٹے کی خوش خبری دی۔ لفظ 'حلیم' میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا رنگ ظاہر فرما دیا گیا کیونکہ 'حلیم' ایک ایسے بیٹے کو کہتے ہیں جو بہت ہی متوازن مزاج اور حوصلے والا ہو اور بے صبرا نہ ہو اور تکلیف دہ باتوں کو بھی بڑے حوصلے اور بردباری کے ساتھ برداشت کرنے والا ہو۔ تو صالحین کا تصور جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں تھا اس کا حلم کے ساتھ تعلق تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ذہن میں جو صالحیت کا معیار تھا اس میں وہ ساری باتیں داخل تھیں جو قبولیت کے نشان کے طور پر ظاہر ہوئیں۔ پہلی ان میں سے یہ ہے حلیم بیٹے کی دعا مانگی ہے آپ نے تبھی حلیم بیٹا عطا کیا گیا اور حلم کا لفظ بہت ہی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ انسان کی نیکیوں میں وقار پیدا کرنے کے لئے اس کی آزمائش کے وقت جس طرح وہ اس آزمائش کے دور سے گزرتا ہے اس میں ایک عظمت پیدا کرنے کے لئے حلم بہت ضروری ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی جو الہام ہوا تھا اس میں تھا "وہ دل کا حلیم ہوگا" اور لفظ دل کا حلیم ہوگا میں ایک یہ بھی مضمون تھا کہ بسا اوقات تم اس کو غصے میں بہت زیادہ تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے بھی دیکھو گے لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ غصے میں آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دل کا حلیم ہوگا اور ہمیشہ حضرت مصلح موعود کے سارے کردار پر یہ بات چھائی رہی کہ غصے کے اظہار کے وقت جو شدت اختیار کر جایا کرتے تھے بعد میں دل کا حلم سو طریق سے ظاہر ہوتا تھا۔ جس پر اظہار ناراضگی کا تھا اس کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے طرح طرح سے اس کی فکر کرتے تھے تو یہ دل کا حلم ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کے لئے سراپا حلم کی خوش خبری کے طور پر آیا صرف دل کے حلیم ہونے کے لحاظ سے نہیں۔

" فبشرناه بغلٰم حليم فلما بلغ معه السعي قال يٰبني اني اریٰ في المنام اني اذبحك فانظر ما ذا تریٰ" اس حلم کا اول تعلق حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی ذات سے تھا کیونکہ یہ جو مضمون ہے یہ ایک حلیم باپ کے سوا کسی اور کے متعلق بیان کرنا تو دور کنار سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ حیرت انگیز مضمون ہے جو اس کے بعد کھلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عمر کو نہیں پہنچے کہ وہ آپ کے ساتھ دوڑنے پھرنے لگے اور کاموں میں ہاتھ بٹانے لگے اس وقت تک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی رؤیا کا ذکر ان سے نہیں فرمایا جو قربانی کی رؤیا تھی اور ارادہ کئے ہی بیٹھے تھے کہ اس رؤیا کو میں پوری کروں گا لیکن پوری اس طرح کروں گا جیسے میرا خدا چاہتا ہے گا یا جیسا کہ میرے خدا نے مجھے حلم اور رشد عطا کئے ہیں یعنی بیٹے کی قربانی کا معاملہ ہے، بیٹے سے پوچھے بغیر نہیں لوں گا۔

اب یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک عظیم شان ہے جو اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے ہر لفظ پر جان فدا کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ بیٹا عطا ہوا ہے اور بڑی مرادوں اور منتوں سے مانگا ہوا بیٹا ہے اور رؤیا اس کے متعلق یہ دیکھتے ہیں کہ میں اس پر چھری پھیر رہا ہوں۔ اس چھری پھیرنے کے منظر کو آپ نے کئی طرح سے پورا فرما دیا۔ کیونکہ رؤیا نہ پورا کرنے کا تو آپ کے لئے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر ایک ایسا پہلو تھا جس پر آ کر طبیعت کچھ جھجکتی تھی اور وہ آپ کے نور نبوت کی روشنی میں ایسا ہی ہونا چاہئے تھے اور وہ تھا جسمانی قربانی۔

پس حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اس بیٹے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر گھر سے نکلے اور ایک بیابان میں چھوڑنے کے ارادے سے نکلے، وہ بیابان جس کے مرکز میں خدا کا پہلا گھر بنا

ہوا تھااور جس کے پرانے آثار وہاں ابھی تک باقی تھے مگر کھوج اور ڈھونڈنے سے وہ تلاش کئے جاسکتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس رؤیا کا لازماً یہی مطلب سمجھا ہو گا کہ وہ خدا کے حضور پیش کیا جانے والا بیٹا ہے، اس کی خاطر قربان ہونے والا بیٹا ہے اور اتنا انتظار کہ وہ بہت بڑا ہو جائے اور پھر میں اس سے پوچھوں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی روح کے منافی تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کا تو یہ حال تھا ہم نے کہا" اسلم قال اسلمت لرب العالمین" وہ تو میرے حکم اور اس کی فرمانبرداری کے اظہار میں ایک ذرہ بھی فاصلہ نہیں پڑنے دیتا تھا۔ ہم نے کہا اے ابراہیم " اسلم" تو ہمارے سپرد ہو جا۔ اس نے کہا" اسلمت لرب العالمین" میں تو سپرد ہوا بیٹھا ہوں میرے آقا، میرے لئے کسی انتظار کا کوئی سوال نہیں، میں ہو چکا سپرد۔ ادھر فرمایا ادھر ہو گیا۔ یہ منظر ہے آپ کی فطرت سلیمہ کا جو قرآن کریم کی آیت پیش کرتی ہے۔

پس اس رؤیا کے عملی اظہار کے لئے، اس پر عمل کرنے کے لئے ممکن نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اسوقت تک انتظار کرتے کہ بیٹے کی مرضی شامل ہو جاتی۔ اور نور نبوت سے آپ یہ بات جانتے تھے کہ کسی باپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کو قربان کر دے۔ ہر شخص کا ایک انفرادی حق ہے جو بہر حال قائم ہو گا اور یہی وجہ ہے کہ جسمانی قربانی سے پہلے آپ نے حضرت اسماعیلؑ کے باشعور ہونے کا انتظار کیا ہے۔ اور چونکہ دل بے قرار تھا قربانی کے لئے اس لئے پہلا اظہار یہ کیا کہ خانہ کعبہ کے پاس اس بیٹے کو چھوڑ دیا جو ابھی ایک ایسے کھنڈر کی صورت میں تھا جو ریت تلے دب چکا تھا۔ اس کے کوئی ظاہری نشان بھی دکھائی نہیں دیتے تھے۔ پس وہاں گئے، ان نشانات کا کھوج لگایا، ان کو معلوم کر کے اس کے قریب اپنی بیوی اور اس کے بچے کو چھوڑ گئے۔ ایک مشکیزہ پانی اور کچھ جو تھے جو پیچھے رہ گئے۔ اور اس قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور حیرت انگیز طور پر اس قربانی کی قبولیت کے آثار ظاہر فرمائے، دور دور سے قافلے وہاں آنے لگے ان کے لئے ہر قسم کے پھل تحفے لائے، وہ ان کے لئے ہر قسم کی نعمتیں اور ہر قسم کی غذائیں مختلف ملکوں سے وہاں لانے لگے۔

مگر وہ پانی کا چشمہ جس کے گرد وہ قافلے اکٹھے ہوئے تھے وہ ابتداءً ایک ظاہری پانی کا چشمہ تھا یعنی زمزم کا کنواں جو بعد میں کنواں بنا، وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام جس مقام پر ایڑیاں رگڑ رہے تھے ان ایڑیوں کی رگڑ سے ہی وہ پانی جو پہلے سے دبا ہوا تھا اور اچھلنے کو تیار بیٹھا تھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے عین اس لمحے وہ پھوٹ پڑا جب حضرت اسماعیل علیہ السلام وہاں ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ تو وہ پانی جو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ زندگی کا پانی بن گیا بلکہ بہت سی قوموں کے لئے، بہت سے قافلوں کے لئے زندگی کا پانی بنا وہ ظاہری صورت میں تو ایک مادی پانی تھا مگر آپ کے پاؤں تلے سے نکلا اور اس پانی نے قافلوں کو کھینچا کیونکہ پانی کے ظاہر ہوتے ہی بہت سے پرندے وہاں اردگرد پھرنے لگتے ہیں، بہت سے سبزے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ پیشتر اس کے کہ وہ ان کی غذا ختم ہو جاتی اس پانی نے پرندوں کو بھی کھینچا ہو گا، ایسے آثار ظاہر ہوئے ہونگے کہ قافلے دور دور سے دیکھ کر پانی کی تلاش میں وہاں پہنچتے ہونگے۔

پس وہی آپ کی ایڑی سے نکلنے والا پانی آپ کی جسمانی غذا اور قوت کا موجب بھی بن گیا اور اسی پانی سے جب وہ روحانی رنگ میں ظاہر ہوا تو عرب کا صحرا ہی نہیں سارا عالم سرسبز و شاداب ہو گیا۔ یعنی وہ پانی جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن کی صورت میں نازل ہوا ہے۔ تو کس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت کی باتیں ہیں، کیسے لطیف انداز ہیں ایک دعا کی قبولیت کیسے کیسے رنگ دکھاتی ہے دنیاوی فوائد بھی رکھتی ہے۔ مگر اس دعا کرنے والے کے رنگ ہیں، اس کی قربانی کی روح ہے جو دراصل دعا کا رنگ لاتی ہے اور ہمیشہ اس دل کی روح اور جذبے کا قبولیت دعا سے ایک تعلق ہوا کرتا ہے۔ پس " رب هب لي من الصلحين " دیکھنے میں ایک عام سی دعا ہے۔ اے میرے رب مجھے صالح عطا فرما۔ لیکن صالح، صالح کا فرق ہوا کرتا ہے۔ صالح مانگنے والے کا فرق ہوا کرتا ہے۔ آپ نے کس شان کا صالح مانگا تھا۔ وہ شان ہے جو بعد کے آنے والی آیات جو اس کے معاً بعد آ رہی ہیں اس شان کو ظاہر کر رہی ہیں۔

پس اس دوران کہ وہ اپنی اس عمر کو پہنچا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑتا پھرتا، کاموں میں حصہ لیتا تھا، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تربیت کی طرف توجہ کی ہے اور ایسی عظیم الشان تربیت کی ہے کہ اس کے نتیجے میں ناممکن تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ اس قربانی میں شامل نہ ہو جاتا جیسے باپ نے سر تسلیم خم کیا تھا اسی طرح وہ بھی سر تسلیم خم نہ کرتا۔ تو یہ دوسرا پہلو ہے جو اولاد کو نیک چاہنے والوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے ورنہ ان کی ساری دعائیں بیکار جائیں گی اور باطل ٹھہریں گی۔ وہ لوگ جو اپنی اولاد کے لئے "من الصلحين" کی دعائیں تو کرتے ہیں لیکن ہمہ وقت ان کی ایسی تربیت نہیں کرتے جس کے نتیجے میں اولاد کو صالح بننا چاہئے اولاد کے لئے اور چارہ نہ رہے سوائے اس کے کہ وہ صالح بن جائے اور پھر اس سارے عرصے میں دعائیں ساتھ جاری رہنی چاہئیں۔

یہ وہ مضمون ہے جس کو یہ آیات پیش کر رہی ہیں کہ جوانی تک حضرت اسماعیلؑ کی ایسی تربیت فرمائی کہ جب وہ اس عمر کے مقام کو پہنچے جہاں بلوغت کے نتیجے میں انسان اہم فیصلے کر سکتا ہے مگر ابھی کامل بلوغت نہیں تھی۔ "معه السعي" کا مطلب ہے وہ دوڑتے پھرنے والی عمر تھی۔ یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اٹھارہ سال کا ہو گیا۔ دس بارہ سال کا جو عمر کا زمانہ ہے وہی لڑکپن کا زمانہ ہے جو اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے، ان الفاظ "معه السعي" سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت آپ نے حضرت اسماعیل کو الگ کر کے ان سے ایک بات پوچھی، پہلے انہیں ایک بات بتائی اور وہ بات یہ تھی "یبنی انی اریٰ فی المنام" اے میرے بیٹے میں ایک خواب دیکھتا ہوں یعنی مسلسل یہ خواب مجھے دکھائی جا رہی ہے۔ ایک لمبے عرصے سے یہ خواب دیکھتا چلا جا رہا ہوں۔ "انی اذبحك" میں تجھے ذبح کر رہا ہوں "فَا نظُر مَا ذا تریٰ" ایک عجیب بیان ہے، بہت ہی دلکش اور خوبصورت، میرے بیٹے غور کر کہ تیری کیا رائے ہے اس بارے میں "قال یٰا بَتِ افعَل مَا تُومَرُ" میری رائے؟ میری رائے تو اس کے سوا اور کچھ نہیں جو اللہ کا حکم ہے۔ "افعل ما تومر" مجھ پر جو گزرے گزر جائے اے میرے باپ تو یقیناً مجھے اللہ کے فضل کے ساتھ، اگر وہ چاہے گا تو صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ اب یہ جو قبولیت دعا کا عظیم الشان اظہار ہے یہ تاریخ عالم میں اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ایسا بیٹا جس کو قربان کرنے کا حکم بارہا دیا جا رہا ہے اور عملاً قربان کر بیٹھے ہیں۔ بے آب و گیاہ وادی میں اس کو پھینک آئے ہیں۔ اس بیٹے کو عملاً جسمانی طور پر ذبح کرنے کے انتظار میں وہ وقت کاٹا ہے لیکن اس کی مرضی کو شامل کئے بغیر یہ اس بات پر دل آمادہ نہیں ہوتا اور بیٹے کی تربیت مسلسل ایسے رنگ میں کی گئی ہے کہ جب وہ قربانی کا وقت آتا ہے تو کہتا ہے اے میرے باپ تو کر گزر جو تجھے حکم دیا گیا ہے "ستجدنی انشاء الله من الصابرین" اور مجھے تو تو ضرور اللہ کے فضل کے ساتھ اگر وہ چاہے گا تو صابرین ہی میں سے پائے گا۔

"فلما اسلما و تله للجبين" پس وہ جب دونوں اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر بیٹھے۔ پہلے تو 'اسلم' کے منظر میں حضرت ابراہیم اکیلے ہی مخاطب تھے اب وہ دو ہو گئے ہیں جو خدا کی رضامندی میں اپنے آپ کو، اپنی روح کو کلیۃً خدا کے قدموں پہ ڈال دیتے ہیں۔ " فلما اسلما و تله للجبين" جب وہ دونوں رضامند ہو گئے اور آپ نے اسے پیشانی کے بل گرا دیا۔ یعنی پیشانی کے رخ زمین پہ ڈال دیا تاکہ وہ دیکھ نہ سکیں، اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے قربانی کرنا یہ حضرت ابراہیم جیسے نہایت نرم دل " اَوّاہٌ منیب" انسان کے لئے تو بہت ہی مشکل کام تھا۔ اور یہ قربانی وہ انسان کر رہا ہے جس کا دل بے انتہا نرم تھا۔ قرآن نے گواہی دی ہے کہ یہ ابراہیم کوئی سخت دل انسان نہیں تھا۔ اس کا تو بات بات پر دل پگھل جایا کرتا تھا۔ اس قوم کے لئے بھی اس کا دل پگھل گیا جو حضرت لوط کی قوم تھی جس کی طرف عذاب کے فرشتے آئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جو محاورہ استعمال فرمایا ہے وہ عجیب ہے "ہم سے ان کے بارے میں جھگڑنے لگا" ابراہیمؑ کامل تسلیم و رضا کا مرقع تھے ایسے کہ دنیا کی آنکھ، آسمان کی آنکھ نے کبھی اس سے پہلے ایسا نہیں دیکھا تھا جہاں کسی قوم کی ہلاکت کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ پیار کے اظہار کے طور پر کہتا ہے وہی ابراہیم جو "اَوّاہٌ منیب" تھا۔ جو حلیم تھا، جو ہر وقت میرے سامنے جھکا رہتا تھا ان لوگوں کے لئے مجھ سے جھگڑنے لگا اور دلیلیں دینے لگا کہ اے خدا کیوں ان کو بچالے، کیوں ان سے درگزر فرما۔ یہ جو ابراہیم ہے، یہ ہے کامل ابراہیم کا نقشہ جو حیرت انگیز ہے اس موقع پر، " اَوّاہٌ منیب" کے لئے کتنا مشکل کام ہو گا اپنے بیٹے کو ذبح کرنا۔ اس لئے اوندھے منہ ان کو لٹایا پیشانی کے بل "فلما اسلما و تله للجبين ناديٰنه ان يّا ابراهيم" ہم نے پھر ابراہیم کو یہ آواز دی کہ اے ابراہیم " قد صدقت الرؤيا" تو نے اپنی رؤیا پوری کر دی۔ " انا كذالك نجزي المحسنين" ہم اسی طرح محسنین کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اب اس میں اایک اہم بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ شدید ترین قربانی کے باوجود جہاں تک دل کی نرمی کا تعلق ہے وہ اسی طرح قائم رہنی چاہئے اور قائم رہتی ہے اور جتنا زیادہ دل نرم ہو اتنا ہی قربانی اور زیادہ عظیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو ایک ایسے رنگ میں بھی بیان فرمایا ہے جس کی طرف عام توجہ نہیں جاتی۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ قربانی کا جانور جہاں تک روایات ہیں وہ ایک جھاڑی میں پھنسا ہوا تھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کشفی رنگ میں بھی بیان فرمادیا ہے یعنی جتنے امکانی پہلو تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان پر غور کر کے ان کو قبول فرماتے اور ہماری ہدایت کے لئے ان کو کھول کھول کر بیان فرمایا کرتے تھے۔

ایک نقشہ آپ نے یہ کھینچا ہے کہ ابراہیم نے عملاً اس وقت جس پر چھری پھیری ہے وہ ان کا اپنا بیٹا ہی تھا مگر معلوم ہوتا ہے اس وقت آنکھیں بند ہوئی ہیں اور ایک کشفی حالت میں ایک ربودیت کی حالت پیدا ہوگئی اور پھر کچھ نظر نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اس عرصہ میں وہ جانور وہاں جھاڑی میں پکڑا گیا، اس عرصے میں آپ اٹھے ہیں، اس جانور کر پکڑ کر لاتے ہیں، بیٹے کو چھوڑتے ہیں۔ اس کی گردن پر چھری پھیرتے ہیں گویا سارا منظر آپ کے شعور سے غائب ہو گیا اور جب چھری پھیری ہے تب اللہ تعالیٰ نے آواز دی ہے "صدقت الرؤیا" تو نے رؤیا پوری کر دی تو دیکھا کہ وہ جانور تھا نہ کہ اسماعیل تھے۔ ایک یہ بھی اس کی قبولیت کا امکانی رنگ تھا جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لطیف رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ پس جو بھی صورت تھی جب وہ قربانی کی چھری چلانے لگے یا جب کشفی حالت میں کچھ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور قربانی کی چھری چلا دی۔ دونوں صورتوں میں خدا نے یہ آواز دی "قد صدقت الرؤیا" تو نے اپنی رؤیا پوری فرما دی۔ یہاں تک تو مضمون بالکل واضح اور کھلا کھلا ہے اور کسی غیر معمولی تدبر کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اس مضمون کو انسان سمجھ جائے۔ ایک دردناک واقعہ ہے جو دردناک واقعات میں سے ایک ایسا استثنائی عظیم رنگ رکھتا ہے کہ اس کی مثال دنیا کے بیان کردہ واقعات میں کہیں دکھائی نہیں دے گی۔ لیکن اس میں جو بات آخر پر بیان فرمائی گئی ہے وہ تعجب کی بات ہے۔ وہ یہ ہے "انا کذالک نجزی المحسنین" تو نے جو رؤیا پوری کر دی یہ جزاء ہے تیرے محسن ہونے کی یعنی ہم ان بندوں کو جو محسن ہیں قربانیوں کی جو رؤیا دکھاتے ہیں یا قربانیوں کی طرف جب بلاتے ہیں تو ان کی جزاء یہ ہوتی ہے کہ پورا کرنے کی توفیق بخشا کرتے ہیں۔

یہ ایک ایسا مضمون ہے جو حیرت انگیز لطافت بھی رکھتا ہے اور عظمت بھی رکھتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ احسان کی جزاء صرف نعمتیں اور مختلف قسم کے فضلوں کا نازل ہونا ہے۔ **جو اعلیٰ درجے کے محسن ہیں ان کی جزاء بھی قربانیاں ہی ہوا کرتی ہے۔ جتنا بڑا محسن ہو گا اتنی ہی بڑی اس کی جزاء ہو گی اور سب سے بڑی جزاء قربانی کی توفیق عطا فرمانا ہے۔**

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی دعا اپنے لئے مانگا کرتے تھے "ربنا ارنا مناسکنا" کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی قربان گاہیں بھی دکھا اور قربانیاں جس طرح تیرے حضور پیش کرنی ہیں وہ طریق بھی سکھا۔ تو فرمایا "کذالک نجزی المحسنین" اے خدا کی راہ میں اپنے آپ کو پیش کرنے والو یاد رکھو کہ جو منتیں باندھو گے جن قربانیوں کے ارادے کرو گے ان کی توفیق اگر محسن ہو گے تو تمہیں ملے گی ورنہ تمہیں انہیں پورا کرنے کی توفیق بھی نہیں ملے گی۔

پس مسلسل محسن بنا یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسا معاملہ رکھنا جیسے آپ خدا کو دیکھ رہے ہوں اور خدا آپ کو دیکھ رہا ہو اور اس حالت میں زندگی بسر کرنا کہ مسلسل دل سے یہ آواز اٹھے "سبحان من یرانی، سبحان من یرانی" پاک ہے وہ جو مجھے دیکھ رہا ہے، پاک ہے وہ جو مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس وقت پھر قربانیاں کرنے کی توفیق یہ جزاء ہے نہ کہ نیک عمل، نیک عمل کی جزاء قربانیاں ادا کرنے کی توفیق ہے۔ یہ عظیم الشان مضمون ہے جس سے آگے پھر جزاء پھوٹتی ہے جو لامتناہی ہے۔ وہ جزاء جو اس سے پیدا ہوتی ہے اس کا کوئی کنارہ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ہمیشہ جاری رہنے والی ایک جزاء ہے جس کا ذکر قرآن کریم مختلف جگہوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے فرماتا ہے۔

"قد صدقت الرؤیا" تو رؤیا پوری کر چکا اور کئی کئی رنگ میں پوری کر چکا "انا کذالک نجزی المحسنین" اس طرح رؤیا پوری کرنے کی توفیق عطا کرتے ہوئے ہم محسنین کو جزاء دیا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ جزاء ہے کہ اس مصیبت میں پڑنا اور باسلامت نکل آنا یہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کا غیر معمولی فضل نہ ہو ایسی عظیم منتیں مانگ کر ان کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔ "ان ھذا لھو البلٰؤا المبین" یہ جو توفیق بخشی گئی ہے یہ تو بہت بڑی بلاء تھی، بہت بڑی آزمائش تھی اور ایسی آزمائش جو کھلی کھلی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھانک رہی تھی یعنی بلاء کو "عظیم" نہیں بلکہ "مبین" فرمایا گیا ہے۔ ابراہیم کو جس آزمائش کے دور سے خدا نے گزارا وہ اتنی کھلی کھلی آزمائش تھی کہ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ بیٹے کو اپنے ہاتھ سے لٹا کر ذبح کرنے کی آزمائش یہ کوئی مخفی رنگ تو اپنے اندر نہیں رکھتی۔ جو مخفی رنگ رکھنے والی آزمائشیں تھیں وہ پہلے پوری کی جا چکی تھیں۔ اس وقت اس بات پر رضا مند ہونا فرمایا یہ جزاء ہے جو ہم نے ابراہیم کو دی "ان ھذا لھو البلٰؤا المبین" یقیناً بلاء مبین تو یہی ہوا کرتی ہے، کھلی کھلی آزمائش اس کو کہا کرتے ہیں، یہ ہوتی ہے۔

"وفدیناہ بذبح عظیم" اور ہم نے اس کو یعنی اسماعیل کو ایک بڑی قربانی کے ذریعہ فدیہ دے کر بچا لیا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی میں بارہا ذکر کر چکا ہوں کہ یہاں وہ بکرا یا مینڈھا جو جھاڑی میں پھنسا ہوا تھا وہ ذبح عظیم نہیں تھا۔ حضرت اسماعیل کے مقابل پر اس کی حیثیت کیا تھی کہ وہ "ذبح عظیم" کہلائے۔ پس یہاں "فدیناہ بذبح عظیم" سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ وہ بکرا بڑا عظیم تھا جس کے ذریعے ہم نے اسماعیل کو بچایا۔ مراد ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی قربانیوں کا دور بڑا عظیم ہے جس میں ایک نہیں سینکڑوں ہزاروں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں میں بھی قیامت تک لاکھوں کروڑوں انسان اسماعیل کی طرح اپنی گردنیں پیش کریں گے اور ان کی گردنیں قبول کی جائیں گی۔ ان کا خون زمین میں بہایا جائے گا۔ یہ وہ ذبح عظیم ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ فرما رہی ہے اور جزاء محسنین کی جزاء یہ بنی ہے کہ ایک بیٹے کی قربانی پر حضرت ابراہیم آمادہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے قربانیوں کا ایک سلسلہ جاری فرمادیا، تا قیامت نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری فرمادیا۔

"و ترکنا علیہ فی الآخرین سلم علیٰ ابراھیم" یہ جزاء ہے جو مکمل ہوئی ہے۔ قیامت تک جب تک لوگ خدا کے حضور اپنی پیاری چیزیں، اپنی جان سے زیادہ عزیز زندگیاں اور وجود اور اپنے تعلق رکھنے والے قربان کرتے چلے جائیں گے اس وقت تک ابراہیم کو سلام پہنچتا رہے گا۔ حیرت انگیز بات ہے ایک واقعہ قربانی کا اور وہ بھی ایسا کہ آزمائش میں ڈال کر پھر اس آزمائش کے انتہائی دکھ سے بھی بچا لیا گیا۔ اس کا اتنا بڑا بدلہ؟ یہ اتنا بڑا بدلہ اس دعا کی گہرائی سے تعلق رکھتا ہے ورنہ کتنے ہیں جو صالحین کی دعا کرتے ہیں ان کو ایسا بدلہ ملتا ہے۔ **پس پھر میں آپ کو اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ جو اولاد آپ نے خدا کے حضور پیش کی ہے یا آئندہ کریں گے یہ دعائیں اگر پہلے نہیں تھیں تو اب کرتے رہیں کہ اے اللہ تعالیٰ اس قربانی کو اسماعیل کی قربانی کا رنگ عطا فرما۔ یہ ایسی قربانیاں ہوں کہ قیامت تک ان سے آگے پھر قربانیاں پھوٹتی رہیں اور ایک عظیم قربانی کا رنگ عطا فرما۔ یہ ایسی قربانیاں ہوں کہ قیامت تک ان سے آگے پھر قربانیاں پھوٹتی رہیں اور ایک عظیم قوم پیدا ہو جو ان قربانیوں کی یاد کو عملاً اپنی جانیں تیرے حضور پیش کر کے زندہ رکھتی رہے۔**

اور ہر ایسی قربانی کے منظر کے وقت لاکھوں کروڑوں دلوں سے یہ آواز اٹھے "سلام علیٰ ابراھیم"، سلامتی ہو ابراہیم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

پس "سلام علیٰ ابراھیم" کی آواز جو آئندہ نسلوں سے اٹھنی ہے اس نے محسنین کا یہ معنی بھی ہمیں دکھا دیا کہ ابراہیم بہت بڑا محسن تھا اس کی نسل سے وہ عظیم نبی برپا ہونا تھا جس کی خاطر کائنات کو پیدا کیا گیا ہے۔ وہ عظیم نبی برپا ہونا تھا جس نے قربانیوں کے لامتناہی سلسلے قیامت تک جاری کر دینے تھے۔ پس اتنا بڑا محسن انسانیت کا یعنی براہ راست نہ سہی اللہ کے حوالے سے سہی مگر اس کے دل کی آرزوؤں کو آسمان نے قبول کیا اور آسمان سے وہ رحمت برسائی جس کا نام رحمۃ للعالمین ہے۔ یہ بھی تو ابراہیم کے احسانات میں سے ایک ہے جو انسانیت پر کئے گئے، آئندہ آنے والی نسلوں پر کئے گئے۔ پس فرمایا جو محسن ہو، اس شان کا محسن ہو اس کی آزمائش بھی بہت بڑی ہوتی تھی۔ اور اس آزمائش پر اسے پورا اترنے کی توفیق بھی ہم نے عطا کرنی تھی اور جب وہ آزمائش پر پورا اتر جاتا تو مقدر تھا کہ آئندہ اس کی آنے والی دور کی نسلوں میں بھی وہ قربانی جاری رہے اسی جذبے کے ساتھ جاری رہے اور ہر قربانی کے دل سے یہ آواز اٹھے "سلام علیٰ ابراھیم" اے ابراہیم تجھ پر سلام ہو، بڑا عظیم الشان وجود تھا۔

آج جبکہ حج کے موقع پر لکھوکھہا انسان تمام دنیا سے اکٹھے ہوتے ہیں وہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے ہوئے ابراہیم پر بھی سلام بھیجتے ہیں۔ پس دیکھو خدا تعالیٰ کتنا ذرہ نواز ہے۔ حیرت کی بات ہے کبھی کسی عمل کو اس جزاء سے اتنا بعد نہیں ہوگا جتنا اس چھوٹے سے عمل کو اس جزاء سے ہے جو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جزاء کے طور پر آپ کو عطا کی گئی۔ پس ایک بچے کو قربان کر دینا یہ عملاً اس سے پہلے ہوتا رہا ہے۔ بہت سے بچے ایسے بھی تھے، بہت سی بیٹیاں ایسی بھی تھیں جن کو ماں باپ نے خود بتوں کی بھینٹ چڑھا دیا،

فرضی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھادیا لیکن اس کی جزاء نہیں، اس کی سزا ان کو جہنم کے وعدے کے طور پر دی گئی۔ جہاں ایک خدا کا محسن بندہ ہے جو قربانی پیش کرتا ہے عملاً اسوقت اس سے وہ قربانی نہیں لی جاتی مگر اس رنگ میں وہ قربانی پوری کر دی جاتی ہے کہ اللہ فرماتا ہے تو پوری کر چکا، تیری طرف سے یہ قربانی قبول ہو گئی۔ لیکن آئندہ اس کے نام کو اتنا بلند کرنا، اتنا روشن کرنا کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بائبل میں لکھا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ آسمان کو دیکھ اور بتا کہ کیا یہ ستارے گن سکتا ہے۔ ابراہیم نے جواب دیا نہیں۔ صحراء کی ریت کو دیکھ کیا تو ریت کے ذرے گن سکتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا میں تیری نسل، ذریت میں اتنی برکت دوں گا آسمان کے ستاروں کی طرح وہ شمار نہیں ہو گی۔ ریت کے ذروں کی طرح اس کا شمار ممکن نہیں ہو گا۔

پس اللہ تعالیٰ کا احسان ان قربانیوں کے مقابل پر جو پیش کی جاتی ہیں اتنا زیادہ اور اتنا وسیع اور اتنا عظیم اور بلند مرتبہ ہو جاتا ہے اور پھر ہمیشہ جاری رہنے والی وہ جزاء ہے جس پر کوئی کنارہ ختم ہونے کا نہیں آیا کرتا۔ اس سے بڑھ کر قربانیوں کی اور کیا مثال پیش کی جاسکتی ہے جس کے نتیجے میں دل ہر قربانی کے لئے تیار ہوں اور اچھلیں اور اپنا ذرہ ذرہ اس راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس سے بڑھ کر شاندار مثال آپ کو کہیں اور دکھائی نہیں دے گی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بیان بھی اسی طریق پر فرمایا اور یہ سارا ذکر کرنے کے بعد فرمایا "سلام علیٰ ابراھیم"۔

"کذالك نجزی المحسنین" تم پہلے "کذالك نجزی المحسنین" سے ڈر نہ جانا یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ مصیبت ہی میں مبتلا کر کے احسان کی جزاء دیا کرتا ہے۔ مصیبتوں میں مبتلا کرنا احسان کی جزاء اس لئے بنتا ہے کہ جب وہ انسان اس امتحان میں پورا اترے پھر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے جزاء کا سلسلہ ہو اس کی انتہاء ہی کوئی نہیں رہتی۔ فرمایا اس طرح ہم نے ابراہیم کو پہلے قربانی کی توفیق بخشی، پھر اس قربانی کو قبول کرتے ہوئے لامتناہی جزاء کا سلسلہ جاری فرما دیا، "کذالك نجزی المحسنین. انه من عبادنا المؤمنین" یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

اس مضمون کو سمجھنے کے بعد جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ہمیں اپنی زندگیوں میں اسے جاری کرنے کی پر خلوص کوشش کرنی ہے اور توفیق وہی ملے گی جس کی ہمارے دلوں کو اور نیتوں کو توفیق ملتی ہے۔ ہماری دعائیں اس دل کی گہرائی سے اٹھنے والے مقام سے تعلق رکھتی ہیں جس مقام سے وہ دعائیں اٹھ رہی ہیں اور وہ دعائیں بسا اوقات ہونٹوں سے بھی اٹھا کرتی ہیں اور گلے تک بھی نہیں اترا کرتیں۔ بعض دفعہ گلے سے نیچے دل تک پہنچ جاتی ہیں مگر دل کی سطح پر رہتی ہیں بعض دفعہ اور گہرا دل میں ڈوب جاتی ہیں۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا دل کی اس گہرائی سے اٹھی ہے جس سے پرے کسی گہرائی کا کوئی تصور ممکن نہیں ہے اور جتنا یہ دعا جھکی تھی خدا کے حضور اتنا ہی اس کو رفعت عطا کی گئی، جتنا اس میں حوصلہ تھا، جتنا اس دعا میں حلم تھا، جتنا اس میں وسعت تھی اسی نسبت سے یہ دعا قبول فرمائی گئی۔

تو سب سے پہلے تو اپنی دعاؤں کی اصلاح کریں اور اپنی دعاؤں میں وہ گہرائی پیدا کریں ورنہ ہونٹوں سے اٹھنے والی دعائیں ہونٹوں سے ہی قبول ہونگی اور اس سے زیادہ ان کا کوئی نیک اثر آپ نہیں دیکھیں گے۔ **پس دعاؤں کو صالح کرنا اور ان کے اندر گہرائی اور خلوص پیدا کرنا، تسلیم و رضا پیدا کرنا یہ سب سے اہم نکتہ ہے جس کو سمجھے بغیر ہم قبولیت دعا کے راز سمجھ ہی نہیں سکتے۔ پھر مسلسل ان دعاؤں کی نیک اعمال سے پیروی کرنا اور اپنی اولادوں کی نگرانی کرتے چلے جانا تاکہ خدا تعالیٰ کے حضور یہ اسی طرح نشوونما پا کر بڑے ہوں جیسا ہم چاہتے ہیں کہ یہ ہوں اور اسی طرح وہ قبول کئے جائیں۔** جہاں تک انسان کے بس کی بات ہے اس سے زیادہ نہیں پھر آگے جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے پھر انسانی تصور سے بہت بڑھ کر اتنا کہ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا، اتنا جزاء کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور پھر وہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔

پس خدا کے حضور ہم جو اپنی اولادیں اور بچے پیش کر رہے ہیں یا اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں ان کو اسی نیت اور اسی خلوص کے ساتھ پیش کریں جس نیت اور خلوص کے ساتھ ابراہیمؑ نے دعائیں مانگی تھیں اور اپنی آنے والی نسلوں کو پیش کیا تھا۔ انہی رستوں میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کی دعاؤں کی قبولیت کا معراج بن کر اٹھے ہیں اور اتنی بلندی تک، اتنی رفعتوں تک جا پہنچے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کس شان کا نبی ہے جو مجھے عطا کیا جائے گا۔ یہ رفعتیں جو آنحضرت ﷺ کو نصیب ہوئی ہیں یہ واقعۃً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہن کی پہنچ سے باہر تھیں۔ اور اسی مضمون کو میں پہلے دوسرے وقتوں میں کھول چکا ہوں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جو مانگا تھا بہت بڑا مانگا تھا لیکن جو عطا کیا گیا ہے اس سے بہت بڑا عطا کیا گیا ہے جو مانگا گیا تھا۔ یہ بھی ایک محسنین کی جزاء کا رنگ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمانیت رکھتی ہے اور اسی رنگ سے پھر محسنین کو جزاء دی جاتی ہے۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے آپ کو یہ سمجھایا گیا۔ پس "کذالك نجزی المحسنین" میں یہ بھی ایک بہت عظیم بات ہے کہ یہ سلام کسی کس و ناکس کے حوالے سے نہیں پہنچ رہا محمدؐ رسول اللہ کے نام کے ساتھ تجھے سلام پہنچے اور یہی وہ سلام ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ اب تمام دنیا کی مذہبی عبادتوں کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں وہ ساری قومیں جو ابراہیم کو مانتی ہیں اور بڑی عظمت دیتی ہیں ان کی کسی مذہبی عبادت میں ابراہیم پر سلام بھیجنا داخل نہیں ہے۔ جب تک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے اس وقت تک اس تمام عرصے میں جو حضرت ابراہیم کی بعثت کے بعد گزرا، رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک گزرا کہیں آپ کو ابراہیم پر سلام بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں ملے گا اور جس سلام کا وعدہ دیا گیا ہے اس کی رفعت اور اس کی عظمت کو بھی بیان فرمایا گیا ہے، فرمایا ایسا سلام جو محمدؐ رسول اللہ کے حوالے سے دیا گیا ہو۔

آج جب بھی آپ درود پڑھتے ہیں اور کل جب بھی مسلمان درود پڑھیں گے اور ہمیشہ پڑھتے چلے جائیں گے جب سے درود شروع ہوا ہے ابراہیم کے نام کا سلام ہمیشہ سے اس درود میں شامل فرما دیا گیا اور اس نام کا سلام آج بھی پہنچ رہا ہے اور کل بھی پہنچے گا اور وقت گزرنے کے ساتھ ان دونوں کا شمار ممکن نہیں رہے گا جو یہ سلام ابراہیم کو بھیج رہے ہیں۔ پس فرمایا "سلام علیٰ ابراھیم" ابراہیم پر سلام ہو مگر کیسا سلام "کذالك نجزی المحسنین" اب دیکھو ہم کتنی رحمت کرنے والے ہیں۔ انسان کی قربانیوں کو خواہ بظاہر چھوٹی ہوں ان کے دل کے پیمانوں سے ناپتے ہیں اور دل میں جتنی بھی عظمت ہو اور دل جتنا بھی خدا کے حضور جھکا ہوا ہو اسی نسبت سے ہم ناپ ناپ کر ان کے بدلے دیتے ہیں اور پھر ان کو بڑھا دیتے ہیں اور اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ دل کے تصور میں بھی وہ بات نہیں آسکتی۔

یہ سلوک ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کرتا ہے اب یہ ہمارے سامنے ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ اس کی توفیق کہ کس حد تک اپنی دعاؤں کو پاک اور صاف کریں، کس حد تک اپنی اولاد کو ان دعاؤں کے مطابق ڈھالنے کی توفیق پائیں یہ توفیق بھی اللہ ہی سے ملے گی اور صرف دعائیں ہی نہ کریں اپنی دعاؤں کے صالح اور دعاؤں کے پاک ہونے کے لئے بھی دعا کیا کریں۔ "ایاك نعبد و ایاك نستعین" میں یہ مضمون بھی داخل کر لیں کہ اے خدا تیری عبادت کرنا چاہتے ہیں مگر عبادت کے رنگ بھی تجھ سے ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں "ایاك نستعین" تیری مدد کے بغیر ہم کوئی عبادت نہیں کر سکتے۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ اس انکسار کے مقام تک خدا ہمیں پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے گا جس کے نتیجے میں وہ خود ہی ہمیں سمجھائے گا کہ دعا کیسے کرنی ہے اور کیا کرنی ہے۔ خود ہی ان دعاؤں کے نتیجے میں قربانیوں کی توفیق بخشے گا، خود ہی ان قربانیوں کو قبول فرمائے گا اور ان کی جزاء اتنی عظیم ہو گی کہ ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ ہم اس دنیا سے گزر جائیں گے مگر ہماری قربانیوں کا پھل آنے والی نسلیں ہمیشہ ہمیش کے لئے کھاتی چلی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس رنگ میں خدا کے حضور اپنی جان، اپنے مال، اپنے وقت، اپنی عزت اور اپنی اولادوں کو قربان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: آیئے اب آخری دعا میں شامل ہوں گے۔ آج کے بقیہ پروگراموں سے متعلق میں ایک وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ اس عید کو جس کو عامۃ الناس میں بڑی عید کہا جاتا ہے جو عید الاضحیہ قربانیوں کی عید ہے اس عید کے فرائض کی ادائیگی کے معا بعد چونکہ لوگوں نے قربانی کرنی ہوتی ہے یا قربانی سے تعلق رکھنے والی خوشیاں منانی ہیں یعنی قربانی کا گوشت خواہ خود نہ بھی دے رہے ہوں مگر اس دن یہ مسلمانوں کے لئے خاص طور پر گوشت کھانے کی خوشیوں کا دن بن جاتا ہے۔ اب یہ جو گوشت کھایا جاتا ہے اس کی لذت میں اضافہ

تبھی ہوگا اگر آپ ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد اور حج پر جو قربانی خدا کے حضور پیش کی جاتی ہے اس کو پیش نظر رکھیں ورنہ خالی بوٹیاں کھانے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، صرف پیٹ خراب ہوگا۔ اس طرح کھائیں کہ یاد کریں کہ یہ قربانی جو دی گئی تھی یہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح کی قربانی کا ایک مظہر تھی اور ہم جو قربانیاں دے رہے ہیں یہ ہمیں یاد دلا رہی ہیں کہ اصل قربانی ذبح عظیم ہے۔ پس جب قربانی کا گوشت کھاؤ تو یاد رکھو تمہیں اپنی جان، مال، بچوں کی قربانی ہے جو خدا کے حضور پیش کرنی ہے۔ اور وہی اصل عید ہے جو مومن کو یہ قربانیاں یاد دلاتی ہیں۔ تو اس کو نہ بھولیں۔ اور اب چونکہ ساری دنیا میں یہ خطبہ سنا جارہا ہے اس لئے انگلستان کے حوالے سے تو شاید ممکن نہ ہو مگر سب دنیا میں یہ ممکن ہے کہ غریبوں کو اس قربانی میں خصوصیت سے یاد رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنے گھر کے لئے رکھے ہوئے گوشت کے علاوہ یا نظام جماعت کی معرفت یا اپنے طور پر براہ راست غریبوں میں گوشت تقسیم کریں کیونکہ یہ وہ ایک دن ہے جس میں کئی بلکہ لاکھوں کروڑوں غریب ایسے ہونگے جن کو بس اسی دن گوشت نصیب ہوتا ہے۔ تو یاد رکھیں کہ اس کی لذت میں جب تک آپ غرباء کو شامل نہ کریں آپ کا دل لذت پا ہی نہیں سکتا۔ یعنی حقیقی لذت نہیں پاسکتا۔ پس جہاں تک ممکن ہے زیادہ سے زیادہ غرباء میں یہ گوشت تقسیم کریں۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے نظام جماعت کی معرفت بھی کریں اور خود بھی اپنے گردوپیش نظر ڈال کر جہاں تک توفیق ہے اس اہم اور قربانی میں شامل عمل کی توفیق پائیں کیونکہ یہاں غریب کو گوشت پہنچانا بھی آپ کی قربانی کا ایک جزو بن جائے گا اور یہ جزو آپ کی لذت میں اضافہ کرے گا۔

یہ وہ نصیحت ہے مختصر جو میں آپ کو اس سلسلے میں کرنی چاہتا ہوں اور اب ہم دعا کروائیں گے لیکن مقامی طور پر جو نصیحت ہے جو باتیں بیان کرنی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس عید کے معاً بعد مصافحہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ جس قربانی کا میں نے ذکر کیا، جن مصروفیات کا ذکر کیا ہے وہ اس بات میں مانع ہوتی ہیں کہ عید کے بعد دیر تک لوگوں کو بٹھایا جائے۔ جہاں تک جمعہ کا تعلق ہے اس سلسلے میں پہلے یہ فیصلہ تھا کہ ساڑھے بارہ بجے جمعہ ہو جائے کیونکہ بعض فقہاء جن میں حضرت امام مالک بھی شامل ہیں ان کا یہ فتویٰ تھا یا ہے کہ عید والے دن جمعہ کو سورج کے زوال سے پہلے بھی پڑھا جاسکتا ہے مگر اکثر فقہاء اس بات کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حدیث سے جو استنباط کیا گیا ہے وہ درست نہیں اور جو تسلیم کرتے ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا چونکہ امکان ہے یہ نکل سکتا ہے معنی اس لئے ہم اس کو حرام تو نہیں کہیں گے مگر غیر معمولی حالات میں اس وقت کا خلیفہ اگر فیصلہ کرے تو ایسا کیا جائے ورنہ نہ کیا جائے۔

تو ساری دنیا میں جہاں بھی جمعہ پڑھا جاچکا ہے وہ ان کے لئے تو بات پرانی ہوگئی مگر جنہوں نے ابھی پڑھنا ہے کیونکہ نصف دنیا ایسی ہے جس نے ابھی جمعہ پڑھنا ہے ان کو یہ نصیحت ہے کہ وہ عید والے دن عید الگ پڑھیں اور جمعہ الگ پڑھیں اور جمعہ کے زوال کا انتظار کریں۔ تو اس سے پہلے میں نے ساڑھے بارہ بجے کا اعلان کروایا تھا وہ زوال کے وقت سے پہلے کا ہے اس کو میں نے تبدیل کر دیا ہے۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ ایک بجے پورے اذان شروع کریں گے اور جب تک جمعہ شروع ہوگا اس وقت تک زوال ہو چکا ہوگا سورج کا اور اس دفعہ جمعہ کا خطبہ بہت مختصر دونگا تاکہ واجبی طور پر سنت پوری ہو اور اس کے بعد آپ لوگ فارغ ہونگے۔ پھر جہاں جہاں بھی آپ نے اپنے مختلف جگہ اڈے بنائے ہوئے ہیں قربانیوں کے گوشت کے تکے بنانے کے وہ آپ جا کے شوق سے کریں۔ تو اس مختصر وضاحت کے بعد آیئے اب ہم دعا میں شامل ہو جائیں۔

بلا تبصرہ

اللہ کو حاضر جان کر کہیے

جناب مسعود احمد خان مدیر ایسٹرن نیوز کینیڈا اپنی حالیہ اشاعت (۵ تا ۲۱ فروری ۱۹۹۸ء) میں لکھتے ہیں :

"اس سال مسی ساگا جیسے چھوٹے شہر میں کم از کم پانچ جگہ عید کی نماز ادا کی گئی اور ہر جگہ عید کا انتظام مختلف لوگوں نے کیا۔ صرف ان تمام انتظام کرنے والوں میں ایک قدر مشترک تھی وہ یہ کہ سب کے سب مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ بھئی! جب آپ سب مسلمان ہیں تو اپنی اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد کیوں بنا رہے ہیں یا دوسرے امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ بتلانے والے بتاتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب عاشق رسولؐ ہیں۔ فلاں اہل السنّت والجماعت والے ہیں۔ فلاں ہری پگڑی باندھتے ہیں اور فلاں تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ کسی کو مدرسہ بنانا ہے۔ کسی کو مسجد اور کسی کو مسلمانوں کا قبرستان۔ چلئے حضور بنایئے جو بنانا ہے مگر عیدین کی نماز تو عیدگاہ میں کروایئے۔ سب مل کر...... ایک جگہ نماز عیدین ادا کریں۔ پھر خیال آتا ہے اگر ایسا ہو تو فطرہ کیسے تقسیم کریں، چندہ کون لے گا، صدقے کی رقم کون اکٹھا کرے۔ گویا فطرہ، چندہ اور صدقہ ہم مقتدیوں کو ایک امامت اور عیدگاہ میں اکٹھا ہونے سے روک رہا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہر مسجد میں دعا کی جاتی ہے کہ "اے اللہ! مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا فرما"........... چار مولوی آپس میں تو اتحاد رکھ نہیں سکتے۔ مسلمانوں میں اتحاد کی دعا کیوں قبول ہوگی"

(مرسلہ: ہدایت اللہ ہادی۔ ٹورانٹو، کینیڈا)

سو سال پہلے

۱۸۹۹ء پر ایک اجمالی نظر

احمد طاہر مرزا - ربوہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۸۹۹ء کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تصنیف "سلسلہ احمدیہ" میں تحریر فرماتے ہیں :

"اب حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ ماموریت پر قریباً اٹھارہ سال گزر چکے تھے اور بیعت کے سلسلہ کو شروع ہوئے بھی دس سال ہو چکے تھے۔ اور گو اس عرصہ میں آپ کی جماعت نے خدا کے فضل سے کافی ترقی کی تھی اور ہزاروں لوگ آپ کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ مخالفت کا طوفان بھی تیز ہوتا گیا اور مسلمان علماء اور ان کے رفقاء نے آپ کے خلاف ایک خطرناک آگ لگا رکھی تھی۔ .... غرض اس زمانہ میں مخالفت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔ اور بد زبانی اور دشنام دہی اور گالی گلوچ کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف ایسے ایسے گندے اور اشتعال انگیز اشتہار اور رسالے شائع ہو رہے تھے کہ ایک شریف انسان انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ اور عوام الناس میں جماعت کے خلاف ایک خطرناک جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان حالات میں حضرت مسیح موعودؑ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ جماعت کی ترقی کا قدم اس تیز رفتاری کے ساتھ نہیں اٹھ رہا۔ جس طرح کہ آپ چاہتے تھے کہ وہ اٹھے۔ اس احساس نے آپ کو اس زمانہ میں غیر معمولی کرب اور اضطراب میں مبتلا کر رکھا تھا اور آپ بے تاب ہو ہو کر خدا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور اس دعا میں مصروف تھے کہ خدا کی طرف سے کوئی ایسے فوق العادت نشان ظاہر ہوں جو لوگوں کی گردنوں کو جھکا کر حق کی طرف مائل کر دیں۔ ۱۸۹۹ء کا سال اس احساس اور اضطراب کے معراج کا زمانہ تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں جو اشتہارات آپؑ نے شائع فرمائے یا جو تصانیف لکھیں ان میں سے اکثر میں یہی احساس اور یہی اضطراب جھلکتا نظر آتا تھا"۔

("سلسلہ احمدیہ" از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے۔ صفحہ ۸۷، ۸۸) بار اول قادیان۔ نظارت تالیف و تصنیف ۱۹۳۹ء)

بعض اہم واقعات

۱۸۹۹ء کے بعض اہم واقعات کا تذکرہ "سیرت المہدی" حصہ دوم میں بایں الفاظ ہے :

"اشاعت ایام الصلح، مقدمہ ضمانت برائے حفاظت امن منجانب مولوی محمد حسین بٹالوی، تصنیف و اشاعت حقیقۃ المہدی، تصنیف مسیح ہندوستان میں، ولادت مبارک احمد، تصنیف و اشاعت ستارۂ قیصریہ، جماعت میں عربی کی تعلیم کے لئے سلسلہ اسباق کا جاری کرنا، تصنیف تریاق القلوب"۔ (سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۱۵۳، مینجر بک ڈپو تالیف و تصنیف و اشاعت قادیان ۱۹۲۷ء)

نشانات اور پیشگوئیاں

اخبار الحکم میں ۱۸۹۹ء کے اہم واقعات کا اجمالی تذکرہ یوں کیا گیا ہے :

"اس سال بھی خدا تعالیٰ کے بے انتہاء انعام اس کے برگزیدہ موعود علیہ السلام پہ اور اس کی جماعت پر ہوتے رہے۔ چنانچہ بہت سی پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔

شروع ہوئی۔ نجم الہدیٰ کا بہت بڑا حصہ چھپ گیا۔ ایسا ہی کتاب تریاق القلوب وجذب الارواح الی حضرۃ المحبوب جو ایک زبردست کتاب اور عظیم الشان نشانوں کا مجموعہ ہے چھپنی شروع ہوئی ہے۔

عربی فارسی زبان میں ترغیب المومنین اور نجم الہدیٰ لکھی گئی اور ایک بڑا حصہ طبع ہو گیا۔

انگریزی میں فریاد درد اور ستارۂ قیصریہ ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں۔ ان سب کتابوں کے علاوہ ایک زبردست کتاب جو گویا کسر صلیب کے لئے آخری حربہ ہے طبع ہونی شروع ہوئی جس کا نام "مسیح ہندوستان میں" ہے۔ اس کتاب میں زبردست دلائل عقلی و نقلی سے ثابت کیا گیا ہے کہ مسیح ہندوستان میں آکر یعنی کشمیر میں فوت ہوا ہے چونکہ اس کتاب کے متعلق کئی ایک سفر کرنے ضروری تھے اس لئے سر دست اس کا طبع ہونا ملتوی ہے۔

یہ تو ان تصانیف کا ذکر ہے جو حضرت اقدس نے شائع کیں۔ وہ کتابیں جو حضرت اقدس کی تائید میں آپ کے جانثار اور مخلص خادموں کی طرف سے شائع ہوئیں ہیں علاوہ ازیں ہیں۔ چنانچہ رپورٹ جلسہ سالانہ، حضرت اقدس کی ایک تقریر، حضرت اقدس کی پرانی تحریریں ایڈیٹر اخبار الحکم کی طرف سے شائع کی گئیں۔ اور ہدایت اللہ اور کشف الدجیٰ مولانا مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے شائع کیں۔

ان تائیدی کتب میں سب سے بڑھ کر اور ضروری وہ لیکچر ہے جو حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے اس مضمون پر سیالکوٹ میں دیا کہ حضرت اقدس نے آکر کیا کیا۔ اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے وغیرہ شائع ہوتے رہے۔

اشتہارات

اس سال میں گزشتہ سال کی طرح اشتہارات بھی کثرت سے شائع ہوتے رہے۔ چنانچہ کم از کم پانچ ہزار اشتہار حضرت اقدس نے شائع کئے۔

اس سال حضرت اقدس کی تائید میں

اشتہارات کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ چنانچہ ان دوستوں نے بذریعہ اشتہارات اپنے رؤیا اور کشوف اور الہامات کو شائع کیا جنہوں نے حضرت اقدس کے سلسلہ میں شامل ہو کر یہ فیض حاصل کیا ہے۔ ان میں سے سید امیر علی شاہ صاحب سیالکوٹی، میاں محمد علی صاحب صوفی لاہوری، صاحبزادہ سراج الحق صاحب سجادہ نشین چار قطب ہانسی سرساوی حال قادیانی اور منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی، حافظ نور محمد صاحب فیض اللہ چک کے اشتہارات شائع ہو چکے ہیں۔

خطوط

خط و کتابت کا سلسلہ بھی بہت بڑا سلسلہ ہے۔ چنانچہ اس سال میں اس سلسلہ میں وسعت کے ساتھ ترقی ہوئی۔ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی خطوں کے جواب لکھنے کا کام سال بھر کرتے رہے۔ مگر آخر خطوط کی زیادتی نے بارشاد حضرت اقدس صاحبزادہ سراج الحق صاحب کو اس کام میں ان کا ہاتھ بٹانے کی ضرورت محسوس کرائی۔ چنانچہ اب دونوں صاحب اس خدمت کو سرانجام دیتے ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء

اس امر کا اظہار بھی اس مد میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نورالدین صاحب سلمہ ربہ کے نام جو خطوط آتے ہیں ان کا ایک بڑا حصہ حضرت اقدس کے متعلق سوالات کا ہوتا ہے جیسا کہ اخبار الحکم میں بعض خطوط کے اندراج سے پایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ سب خطوط اسی مد میں داخل ہیں۔ ان خطوں کا تخمینہ جو حضرت اقدس کے نام سے سال بھر میں آئے پانچ ہزار ہیں اور ان خطوط کی تعداد کا تخمینہ جو مولانا نورالدین صاحب کے نام آئے قریباً تین ہزار ہے۔ پس اس سال میں کوئی آٹھ ہزار سے زیادہ خطوط لکھا گیا ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس مبارک مشن کی دعوت قوموں میں پھیلی ہے۔

مہمانوں کی آمد و رفت

یہ سلسلہ بھی اس سال ترقی پر رہا۔ ۳۰ سے لے کر ۵۰ تک مہمانوں کی روزانہ اوسط رہی ہے۔ گو بعض دنوں میں سو سو اور دو دو سو تک بھی اور اس سے زیادہ بھی نوبت پہنچی ہے۔ تاہم سال بھر میں قریباً اٹھارہ ہزار آدمی وقتاً فوقتاً دارالامان میں آکر حضرت امام الوقت سلمہ ربہ کے منہ سے پاک باتیں سنتے رہے اور پاک تاثیریں لے کر جاتے رہے۔

تعمیرات

چونکہ مہمانوں کی آمد و رفت روزانہ ترقی پر ہے اور مہاجرین بھی کثرت سے آتے جاتے ہیں اس لئے الہام: وسع مکانك یاتون من کل فج عمیق سال بھر میں تعمیر مکانات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ مدرسہ تعلیم الاسلام کے دو کمروں کے علاوہ سات جدید مکان تعمیر کئے گئے اور آئندہ ضرورتیں بڑھ رہی ہیں۔

مہاجرین

گزشتہ سالوں کی نسبت اس جماعت میں بھی ترقی ہوئی ہے جو ہمیشہ کیلئے دارالامان میں آکر مستقل طور پر آباد ہوئی ہے۔ چنانچہ آج کل پندرہ متفرق کنبے یہاں آکر آباد ہو چکے ہیں۔

شفاخانہ

حضرت مولانا نورالدین صاحب سلمہ ربہ نے جو شفاخانہ اپنے صرفِ خاص سے کھول رکھا ہے اور مفت دوا ملتی ہے اس میں دور دور جگہ سے مریض آکر شفا پاتے رہے اور روزانہ اوسط مریضوں کی ۲۰ سے ۵۰ تک رہی۔ چنانچہ سال تمام میں جن لوگوں نے جسمانی فیض حاصل کیا اُن کی تعداد قریباً بیس ہزار ہے۔

جلسے

اس سال میں معمولی جلسہ تعطیلات ایام کرسمس کے علاوہ تین بڑے ہوئے۔ دو جلسے حسب معمول عیدین کی نماز پر ہوئے اور تیسرا جلسہ الوداع کے نام سے ۱۲ر نومبر ۱۹۹۹ء کو ہوا۔ یہ جلسہ اس غرض سے کیا گیا تھا کہ تا نصیبین کے جانے والے دوستوں کی روانگی کے لئے دعا مانگی جاوے اور دوستوں سے ان کا تعارف ہو۔ یہ جلسہ غیر معمولی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ جس کی جداگانہ رپورٹ ایڈیٹر الحکم مرتب کر رہا ہے۔

بیعت

اس سال میں بیعت کرنے والوں کی تعداد بھی پچھلے سالوں کی بہ نسبت زیادہ رہی۔ بذریعہ خطوط اور خود حاضر ہو کر بیعت کرنے والے اصحاب کی تعداد کسی صورت میں تین ہزار سے کم نہیں ہے۔

(الحکم نمبر ۱ جلد ۴۔ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۰ء صفحہ ۳ تا ۶)

◎— عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریمؑ و مسلم و مسند احمد ص ۲۳۶)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری حالت کیسی نازک ہوگی جب ابن مریم یعنی مثیلِ مسیح مبعوث ہوگا جو تمہارا امام اور تم میں سے ہوگا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ تم میں سے ہونے کی وجہ سے وہ تمہاری امامت کے فرائض انجام دے گا۔

◎— یُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَهْدِیًّا حَکَمًا عَدْلًا یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ۔ (مسند احمد ص ۱۵۶)

تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ (انشاء اللہ تعالیٰ) عیسیٰ بن مریم کا زمانہ پائے گا وہی امام مہدی اور حکم و عدل ہوگا جو صلیب کو توڑے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا۔

◎— عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَنْزِلَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا مُقْسِطًا وَاِمَامًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهُ اَحَدٌ۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ بن مریمؑ وخروج یاجوج وماجوج)

◎— اَلَا اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُ نَبِیٌّ وَلَا رَسُوْلٌ اَلَا اِنَّهُ خَلِیْفَتِیْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ، اَلَا اِنَّهُ یَقْتُلُ الدَّجَّالَ وَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ، وَتَضَعُ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا، اَلَا مَنْ اَدْرَکَهُ فَلْیَقْرَاْ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ (طبرانی الاوسط والصغیر)

خبردار رہو کہ عیسیٰ بن مریم (مسیح موعود) اور میرے درمیان کوئی نبی یا رسول نہیں ہوگا۔ خوب سن لو کہ وہ میرے بعد امت میں میرا خلیفہ ہوگا۔ وہ ضرور دجال کو قتل کرے گا۔ صلیب (یعنی صلیبی عقیدہ) کو پاش پاش کر دے گا اور جزیہ ختم کر دے گا۔ یعنی اسکا رواج اُٹھ جائے گا کیونکہ اس وقت میں (مذہبی) جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یاد رکھو جسے بھی اُن سے ملاقات کا شرف حاصل ہو وہ انہیں میرا سلام ضرور پہنچائے۔

ذکر حبیب

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکیزہ سیرت کا بیان)

"کسی انسان کی سیرت و شمائل کا صحیح آئینہ اس کی دعائیں ہیں یا دوسرے الفاظ میں اسکی آرزوؤں اور تمناؤں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے اخلاق وعادات کا کیا رنگ ہے اور اس خصوص میں اسکا کیا مقام ہے

.....

.....حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امتیازی خصوصیات میں یہ امر بھی داخل ہے کہ آپ نے مبعوث ہو کر

دعا کی حقیقت کو نمایاں فرمایا

جس طرح آپ کے وجود سے زندہ خدا زندہ رسول اور زندہ کتاب کی اصطلاحیں ظاہر ہوئیں آپ نے دعا کو بھی زندہ کیا۔ لوگ دعا کی حقیقت سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ جس طرح دوسرے اعمال رسم وقشر کی صورت اختیار کر چکے تھے دعا بھی ایک بے معنی چیز ہو گئی تھی۔ اس میں زندگی کے آثار مفقود تھے اور اس وجہ سے خود مسلمانوں کے اندر ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی جو دعا کی منکر تھی اس لئے کہ وہ دیکھتے تھے کہ دعاؤں کی قبولیت کے آثار اور ثمرات نظر نہیں آتے اور یورپ کے خیالی فلسفہ نے اس کی اہمیت اور قوت تاثیر سے بدظن کر دیا۔ اور جو لوگ بظاہر دعا کے قائل تھے ان کی حالت یہ تھی کہ دعا کے الفاظ اور شکل تو موجود تھی اور وہ ان الفاظ کو دہراتے اور رٹتے بھی تھے مگر حقیقت اور تاثیر مفقود تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یورپ کے فلسفہ زدہ لوگوں کے لئے "برکات الدعا" لکھی اور دعاؤں کی عملی قبولیت کے آثار واعجاز سے دعا کی قوت کا مشاہدہ کرا دیا اور اس طرح یہ خیالی بات نہ رہی بلکہ ایک طرف اسے علمی دلائل سے ثابت کیا دوسری طرف اس کی تاثیرات سے ناقابل تردید مشاہدہ پیش کیا۔ اپنی دعاؤں کی قبولیت کو ایک عظیم الشان آیت اور نشان کے رنگ میں پیش کیا اور جو لوگ مغربی فلسفہ سے مرعوب ہو کر اس کا انکار کرتے تھے انہیں متحدیانہ رنگ میں دعوت دی۔ ۔

قصہ کوتاہ کن بہ بیں ازما دعائے مستجاب

دعا کی حقیقت اور اس کے برکات کو ایسے آسان اور واضح رنگ میں پیش کیا کہ نیچری اور فلسفی کو اس کے قبول کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ دنیا کے اندر جو انقلاب ہو رہا ہے یقیناً اس انقلاب میں انہی دعاؤں کا اثر ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں نے دنیا میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرش عظیم کو ایسی حرکت دی کہ آسمان زمین کے قریب ہو گیا اور دنیا نے ان تجلیات کا مشاہدہ کر لیا جو پہلے نظر نہ آتی تھیں۔ اس طرح اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مطاع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں گم اور فنا ہو کر اور اسی ردا کو پہن کر اسی رنگ میں اپنی دعاؤں سے ایک ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ ایک نیا آسمان اور نئی زمین کی تکوین ہو گئی جو تاریکی کے فرزندوں کو نظر نہیں آتی۔ آپ کی دعاؤں نے فی الحقیقت مردوں کو زندہ کر دیا اور وہ جو سفلی جذبات میں محو ہو کر نفس دنی کی قبروں میں پڑے سڑ رہے تھے ان کو قم باذن اللہ کہہ کر اٹھایا اور ان میں ایک ایسی تبدیلی کر دی کہ وہ خدائے تعالیٰ کی محبت ووفا میں زندہ ہو گئے اور انکے سفلی جذبات پر موت وارد ہو گئی۔ اسکی دعاؤں نے پاکوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر قہری بجلیاں گرائیں اور منکرین کرامت کو پکار کر کہا۔

بیا بنگر زغلمان محمدؐ

حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کی دعاؤں پر غور کرنے سے ایک طرف ایمانی قوتوں میں نشوونما ہوتا ہے دوسری طرف انسان تقرب الی اللہ کی اس راہ پر لذیذ ایمان پالیتا ہے جو دعاؤں کی صورت میں پیش کی گئی ہے اور ان دعاؤں سے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و شمائل پر ایک نفسیاتی مطالعہ کا دلچسپ سلسلہ سامنے آتا ہے"۔

یہ الفاظ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ ایڈیٹر الحکم کی تصنیف سیرت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حصہ پنجم مطبوعہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۳ء سے لئے گئے ہیں۔ آپ نے اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل وعادات اور اخلاق کا تذکرہ آپ کی دعاؤں کے آئینہ میں درج کیا ہے۔ یہ تذکرہ بہت دلچسپ، ایمان افروز اور روح و قلب کو جلا بخشنے والا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اور جلیل القدر صحابی حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ کا ایک مضمون درج فرمایا ہے جس میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کو دعا کے مضمون کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ یہ مضمون آپ نے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۱ء کو سالانہ جلسہ کی تقریب میں پڑھا تھا۔ ذیل میں ہم حضرت مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ کا یہ مضمون درج کرتے ہیں۔

ہر کام سے پہلے دعا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریق عمل تھا کہ ہر ایک کام کے شروع کرنے سے پہلے ضرور دعا کیا کرتے تھے اور دعا بطریق مسنون دعائے استخارہ ہوتی تھی۔ استخارہ کے معنے ہیں خدا تعالیٰ سے طلب خیر کرنا۔ استخارہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کوئی خواب آ جائے۔ جیسا کہ آج کل کے بعض صوفی استخارہ کرتے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ سے خیر طلب کرتے ہیں۔ یہ طریق مسنون نہیں۔ اصل مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے خیر حاصل ہو اور دعائے استخارہ سے اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ جو کام ہمارے لئے بہتری اور بھلائی کا ہو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ بغیر دقتوں کے حاصل ہو جاتا ہے۔ اور قلب میں اس کے متعلق انشراح اور انبساط پیدا ہو جاتا ہے۔

عموماً استخارہ رات کے وقت بعد نماز عشاء کیا جاتا ہے۔ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر التحیات میں درود شریف اور دیگر مسنون دعاؤں کے بعد دعائے استخارہ پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد فوراً سو رہنا چاہئے۔ اور باتوں میں مشغول ہونا مناسب نہیں ہوتا۔ لیکن حسب ضرورت دوسرے وقت بھی استخارہ کیا جا سکتا ہے۔

نماز عصر میں استخارہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دوران ایام مقدمہ کرم دین میں ایک صاحب ابو سعید نامی کو جو ابو سعید عرب کے نام سے مشہور تھے۔ لاہور سے بعض اخباروں کے پرچے لانے کے واسطے بھیجا گیا۔ انہیں کہا گیا کہ آپ سفر سے قبل استخارہ کر لیں۔ اس وقت نماز عصر ہونے والی تھی اور مسجد مبارک میں احباب جمع تھے۔ وہاں ہی انکے سفر کے متعلق تجویز قرار پائی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو سعید صاحب سے فرمایا کہ آپ عصر کی نماز میں ہی استخارہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور پھر لاہور چلے گئے۔ اور جس مقصد کے واسطے بھیجے گئے۔ اس میں کامیاب ہو کر واپس آئے۔

مجلس میں دعاء

گو بعض دفعہ کسی کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میں بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کر دیا کرتے تھے۔ مگر عام طور پر آپ کا طریق یہ تھا کہ نمازوں کے اندر دعا کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ کسی دوسرے وقت بھی تحریک دعا ہوتی تو آپ وضوء کر کے نماز میں کھڑے ہو جاتے اور دعا کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ۱۹۰۴ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب بہت بیمار ہو گئے تھے اور اس بیماری کی حالت میں ایک وقت تنگی اور تکلیف کا ان پر ایسا وارد ہوا کہ انکی بیوی مرحومہ نے سمجھا کہ ان کا آخری وقت ہے۔ وہ روتی چیختی حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کی خدمت میں پہنچیں۔ حضور نے تھوڑی سی مشک دی کہ انہیں کھلاؤ اور میں دعا کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسی وقت وضوء کر کے نماز میں کھڑے ہو گئے۔ صبح کا وقت تھا۔ حضرت مفتی صاحب کو مشک کھلائی گئی۔ اور ان کی حالت اچھی ہونے لگ گئی۔ اور تھوڑی دیر میں طبیعت سنبھل گئی۔

مجسم دعاء

دعاؤں کے کرنے اور کرانے میں حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کو اس قدر توجہ رہتی تھی کہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ مجسم دعاء تھے۔

بخل اگر جائز ہوتا

ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے سوچا کہ بخل تو ناجائز ہے۔ کسی حالت میں انسان کو بخیل نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اگر بخل جائز ہوتا۔ تو وہ کونسی چیز ہے جس کے دینے یا بتلانے میں میں بخل کرتا۔ میں نے بہت سوچا۔ مگر کوئی چیز نظر نہ آئی جس پر بخل کرنے کو میرا دل چاہتا۔ سوائے اس کے کہ میں اس بات کے بتلانے میں بخل کرتا کہ دعا کتنی بڑی شاندار نعمت ہے۔ اور کس آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

ایک خاص دعاء

۲۵ فروری ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اس بات کے پیچھے لگا ہوا ہوں کہ اپنی جماعت کے واسطے ایک خاص دعاء تو ہمیشہ کی جاتی ہے۔ مگر ایک نہایت جوش کی دعا کرنا چاہتا ہوں۔ جب اس کا موقعہ مل جائے۔

احباب کے واسطے دعاء

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص دعاؤں کا وقت اور موقعہ اور ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ میسر نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں دیکھا جاتا تھا کہ جب کوئی دوست رخصت ہونے کی اجازت چاہتا تھا تو فرمایا کرتے تھے "کیا آپ دو چار روز اور نہیں ٹھہر سکتے؟" اور اکثر خدام کو زیادہ سے زیادہ وقت قادیان میں رہنے کی ترغیب دیتے حالانکہ بظاہر کوئی کام ان کے ذمہ نہیں ہوتا۔ اس کی اصل غرض یہی تھی کہ سامنے رہنے سے دعا کے خاص موقعہ میں شامل ہو جانا ممکن ہوتا۔

بذریعہ دعاء شک کا ازالہ

دعاؤں کے اثر پر آپ کو اس قدر اعتماد تھا کہ آپ نے اپنے نہ ماننے والوں کو بھی ایک دعا ہی سکھائی۔ جس سے ان پر حق ظاہر ہو سکے۔ فرماتے ہیں:۔

"بطور تبلیغ کے لکھتا ہوں کہ حق کے طالب جو مواخذہ الٰہی سے ڈرتے ہیں وہ بلا تحقیق اس زمانہ کے مولویوں کے پیچھے نہ چلیں اور آخری زمانہ کے مولویوں سے جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے ویسا ہی ڈرتے رہیں اور ان فتوؤں کو دیکھ کر حیران نہ ہو جائیں کیونکہ یہ فتوے کوئی نئی بات نہیں اور اگر اس عاجز پر شک ہو اور وہ دعویٰ جو اس عاجز نے کیا ہے اس کی صحت کی نسبت دل میں شبہ ہو۔ تو میں ایک آسان صورت رفع شک کی بتلاتا ہوں۔ جس سے ایک طالب صادق انشاء اللہ مطمئن ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اول توبہ نصوح کر کے رات کے وقت دو رکعت نماز پڑھیں۔ جس کی پہلی رکعت میں سورہ یٰسین اور دوسری میں ۲۱ مرتبہ سورہ اخلاص ہو۔ اور پھر بعد اس کے ۳۰۰ مرتبہ درود شریف اور ۳۰۰ مرتبہ استغفار پڑھ کر خدا تعالیٰ سے یہ دعا کریں۔ کہ اے قادر و کریم تو پوشیدہ حالات کو جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے۔ اور مقبول اور مردود اور مفتری اور صادق تیری نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ پس ہم عاجزی سے تیری جناب میں التجا کرتے ہیں کہ اس شخص کا تیرے نزدیک جو مسیح موعود اور مہدی اور مجدد الوقت ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا حال ہے۔ کیا صادق ہے یا یہ کاذب اور مقبول ہے یا مردود اپنے فضل سے یہ حال رویا یا کشف یا الہام سے ہم پر ظاہر فرما تا اگر مردود ہے تو اس کے قبول کرنے سے ہم گمراہ نہ ہوں۔ اور اگر مقبول ہے اور تیری طرف سے ہے تو اس کے انکار اور اس کی اہانت سے ہم ہلاک نہ ہو جائیں۔ ہمیں ہر ایک فتنہ سے بچا اور ہر ایک مقدرت تجھ کو ہی ہے۔ آمین۔

یہ استخارہ کم سے کم دو ہفتہ کریں لیکن اپنے نفس سے خالی ہو کر کیونکہ جو شخص پہلے ہی بغض سے بھرا ہوا ہے۔ اور بدظنی اس پر غالب آگئی ہے۔ اگر وہ خواب میں اس شخص کا حال دریافت کرنا چاہے جس کو وہ بہت ہی برا جانتا ہے۔ تو شیطان آتا ہے اور موافق اس ظلمت کے جو اس کے دل میں ہے اور پر ظلمت خیالات اپنی طرف سے اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ پس اس کا پچھلا حال پہلے سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ سو اگر خدا تعالیٰ سے کوئی خبر دریافت کرنا چاہے تو اپنے سینہ کو بکلی بغض اور عناد سے دھو ڈالے اور اپنے تئیں بکلی خالی النفس کرے۔ اور دونوں پہلوؤں بغض اور محبت

سے الگ ہو کر اس سے ہدایت کی روشنی مانگے وہ ضرور اپنے وعدہ کے موافق اپنی طرف سے روشنی نازل کرے گا جس پر نفسانی اوہام کا کوئی دخان نہیں ہو گا۔ سوائے حق کے طالبوں مولویوں کی باتوں سے فتنہ میں مت پڑو۔ اٹھو اور کچھ مجاہدہ کر کے اس قوی اور قدیر اور علیم اور ہادی مطلق کی مدد چاہو۔ اور دیکھو کہ اب میں نے یہ روحانی تبلیغ بھی کر دی ہے۔ آئندہ تمہیں اختیار ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ المبلغ غلام احمد عفی عنہ

عشق الٰہی

دعا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے دلی جذبات اور خواہشات کا اظہار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں کس قدر محبت اور عشق تھا۔ اس کا بھی کچھ پتہ آپ کی دعاؤں سے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے ہیں:

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار
اے مرے پیارے مرے محسن میرے پروردگار
اے مرے یار یگانہ اے مری جاں کی پناہ
بس ہے تو میرے لئے مجھکو نہیں تجھ بن بکار
اے مرے پیارے بتا تو کسطرح خوشنود ہے
نیک دن ہوگا وہی جب تجھ پہ ہوویں ہم نثار

—○—

دنیا میں عشق تیرا باقی ہے سب اندھیرا
معشوق ہے تو میرا عشق صفا یہی ہے
اے میرے یار جانی کر خود ہی مہربانی
مت کہہ کہ لن ترانی تجھ سے رجا یہی ہے
اے مرے دل کے درماں ہجراں ہے تیرا سوزاں
کہتے ہیں جسکو دوزخ وہ جاں گزا یہی ہے

—○—

درحقیقت بس ست یار یکے
دل یکے، جان یکے، نگار یکے
در دو عالم مرا عزیز توئی
وانچہ می خواہم از تو نیز توئی

—○—

اے دلبر و دلستان و دلدار
اے جان جہاں و نور انوار
اے مونس جان چہ دلستانی
کز خود بربودیم بہ یک بار
چشم و سرہا فدائے رویت
جان و دل ما بتو گرفتار

—○—

ہر کہ عشقت دردل و جانش فتد
ناگہاں جانے در ایمانش فتد

اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی کامل اور مستقل وفاداری کے متعلق عرض کرتے ہیں۔

خواہی بقہرم کن جدا خواہی بلطفم رونما
خواہی بکشی یا کن رہا کے ترک آن و اماں کنم

—○—

سہل است ترک ہر دو جہاں گر رضائے تو
آید بدست اے پنہہ کہف و ما منم
درکوئے تو اگر سر عشاق راز نند
اول کسے کہ لاف تعشق زند منم

غیر مبایعین سے فیصلہ کی آسان راہ

ہمارے پرانے دوست جو اب اپنے آپ کو لاہوری احمدی کہلانا پسند کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی ہمارا فیصلہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے ذریعہ سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ مولوی محمد علی صاحب اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روحانی فرزند کہا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اور توجہ کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ اولاد جو روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی اور جس کی تربیت اور تعلیم بھی حضور علیہ السلام کی نگرانی میں ہوئی۔ اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں بھی ہیں۔ اور جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کثرت سے دعائیں کیں۔ کیا ممکن ہے کہ وہ سب اولاد مع تمام متعلقین اور اولین سابقین کی ایک بڑی جماعت کے گمراہ ہو جائے۔

اب میں ان دعاؤں میں سے جو حضور نے اپنی اولاد کے واسطے کیں چند ایک بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ ہماری اولاد شعائر اللہ میں داخل ہے۔ ان کا اکرام ضروری ہے۔ اور حضور کی دعائیں اپنی اولاد کے واسطے تو شب و روز بے انتہا تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہر نماز میں اپنے اہل بیت اور اولاد کے لئے دعا کرتا ہوں۔ یہ چند فقرات حسن اتفاق سے تحریر میں بھی آ گئے۔

کوئی ضائع نہیں ہوتا جو ترا طالب ہے
کوئی رسوا نہیں ہوتا جو ہے جویاں تیرا
مری اولاد کو تو ایسی ہی کردے پیارے
دیکھ لیں آنکھ سے وہ چہرہ نمایاں تیرا
عمر دے رزق دے اور عافیت و صحت بھی
سب سے بڑھکر یہ کہ پا جائیں وہ عرفاں تیرا

—○—

کریما دور کر تو ان سے ہر شر
رحیما نیک کر اور پھر معمر
تیری قدرت کے آگے روک کیا ہے
وہ سب دے انکو جو مجھ کو دیا ہے
دعا کرتا ہوں اے میرے یگانہ
نہ آوے ان پہ رنجوں کا زمانہ
نہ چھوڑیں وہ تیرا یہ آستانہ
میرے مولا انہیں ہر دم بچانا

دعا کے ذریعہ آسمانی فیصلہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ پر علماء زمانہ نے کفر کے فتوے لگائے اور ہر قسم کی عداوت اور دشمنی اور ایذا رسانی پر کمر باندھی تو حضور نے دعا ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے فیصلہ چاہا اور یہ دعا کی:۔

"اس عاجز غلام احمد قادیانی کی آسمانی گواہی طلب کرنے کے لئے ایک دعاء اور حضرت عزت سے اپنی نسبت آسمانی فیصلہ کی درخواست۔ اے میرے حضرت اعلیٰ ذوالجلال قادر وقدوس حی وقیوم جو ہمیشہ راست بازوں کی مدد کرتا ہے تیرا نام ابدالآباد مبارک ہے۔ تیرے قدرت کے کام کبھی رک نہیں سکتے۔ تیرا قوی ہاتھ ہمیشہ عجیب کام دکھلاتا ہے۔ تو نے ہی اس چودھویں صدی کے سر پر مجھے مبعوث کیا اور فرمایا کہ اٹھ میں نے تجھے اس زمانہ میں اسلام کی حجت

پوری کرنے کے لئے اور اسلام کی سچائیوں کو دنیا میں پھیلانے کے لئے اور ایمان کو زندہ اور قوی کرنے کے لئے چنا۔ اور تو نے ہی مجھے فرمایا تو میری نظر میں منظور ہے۔ میں اپنے عرش پر تیری تعریف کرتا ہوں۔ اور تو نے ہی مجھے فرمایا کہ تو ہی مسیح موعود ہے جس کے وقت کو ضائع نہیں کیا جائے گا۔ اور تو نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید اور تو نے ہی مجھے فرمایا کہ میں نے لوگوں کی دعوت کے لئے تجھے منتخب کیا۔ ان کو کہہ دے کہ میں تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور سب سے پہلا مومن ہوں۔ اور تو نے ہی مجھے کہا کہ میں نے تجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تا اسلام کو تمام قوموں کے آگے روشن کر کے دکھلاؤں۔ اور کوئی مذہب ان تمام مذہبوں میں سے جو زمین پر ہیں برکات میں، معارف میں، تعلیم کی عمدگی میں، خدا کی تائیدوں میں خدا کے عجائب غرائب نشانوں میں اسلام سے ہمسری نہ کر سکے۔ اور تو نے ہی مجھے فرمایا تو میری درگاہ میں وجیہ ہے۔ میں نے اپنے لئے تجھے اختیار کیا۔ مگر اے قادر خدا تو جانتا ہے کہ اکثر لوگوں نے مجھے منظور نہیں کیا۔ اور مجھے مفتری سمجھا اور میرا نام کافر اور کذاب اور دجال رکھا گیا۔ مجھے گالیاں دی گئیں اور طرح طرح کی دل آزار باتوں سے مجھے ستایا گیا..... سوائے میرے مولا قادر خدا اب مجھے راہ بتلا اور کوئی ایسا نشان ظاہر فرما جس سے تیرے سلیم الفطرت بندے نہایت قوی طور پر یقین کریں کہ میں تیرا مقبول ہوں۔ اور جس سے انکار ایمان قوی ہو۔ اور وہ تجھے پہچانیں۔ اور تجھ سے ڈریں۔ اور تیرے اس بندے کی ہدایتوں کے موافق ایک پاک تبدیلی ان کے اندر پیدا ہو۔ اور زمین پر پاکی اور پرہیزگاری کا اعلیٰ نمونہ دکھلائیں۔ اور ہر ایک طالب حق کو نیکی کی طرف کھینچیں اور اسی طرح پر تمام قومیں جو زمین پر ہیں تیری قدرت اور جلال کو دیکھیں۔ اور سمجھیں کہ تو اپنے اس بندے کے ساتھ ہے۔ اور دنیا میں تیرا جلال چمکے۔ اور تیرے نام کی روشنی اس بجلی کی طرح دکھلائی دے۔ کہ جو ایک لحہ میں مشرق سے مغرب تک اپنے تئیں پہنچاتی اور شمال و جنوب میں اپنی چمکیں دکھلاتی ہے .... تو میرا ہے جیسا کہ میں تیرا ہوں۔ تیری جناب میں الحاح سے دعا کرتا ہوں۔ کہ اگر یہ سچ ہے کہ میں تیری طرف سے ہوں۔ اور اگر یہ سچ ہے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔ تو میری تائید میں اپنا کوئی ایسا نشان دکھلا کہ جو پبلک کی نظر میں انسانوں کے ہاتھوں اور انسانی منصوبوں سے برتر یقین کیا جائے تا لوگ سمجھیں کہ میں تیری طرف سے ہوں۔ اے میرے قادر خدا! اے میرے توانا! اور سب قوتوں کے مالک خداوند تیرے ہاتھ کے برابر کوئی ہاتھ نہیں۔ اور کسی جن اور بھوت کو تیری سلطنت میں شرکت نہیں۔ دنیا میں ہر ایک فریب ہوتا ہے۔ اور انسانوں کو شیاطین بھی اپنے جھوٹے الہامات سے دھوکہ دیتے ہیں۔ مگر کسی شیطان کو یہ قوت نہیں دی گئی کہ وہ تیرے نشانوں اور تیرے ہیبت ناک ہاتھ کے آگے ٹھہر سکے یا تیری قدرت کی مانند کوئی قدرت دکھلا سکے کیونکہ تو وہ ہے جس کی شان لاالٰہ الا اللہ ہے اور جو العلی العظیم ہے"۔

صلوٰۃ اور دعا میں فرق

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ صلوٰۃ میں اور نماز میں کیا فرق ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے

الصلوٰۃ ھی الدعاء

یعنی صلوٰۃ ہی دعا ہے۔

الصلوٰۃ مخ العبادۃ

نماز عبادت کا مغز ہے۔ جب انسان کی دعا محض دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں۔ لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے اور ادب، انکسار، تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ تب وہ صلوٰۃ میں ہی ہوتا ہے۔ اصل حقیقت دعاء کی وہ ہے جس کے ذریعہ سے خدا اور انسان کے درمیان رابطہ تعلق بڑھے۔ صلوٰۃ کا لفظ پر سوز معنے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے آگ سے سوزش پیدا ہوتی ہے۔ ویسی ہی گذارش دعاء میں پیدا ہونی چاہئے۔ جب ایسی حالت کو پہنچ جائے۔ جیسے موت کی حالت ہوتی ہے تب اس کا نام صلوٰۃ ہوتا ہے۔

دعا میں بڑی قوت ہے

فرمایا کرتے تھے:۔

"دعا میں خداتعالیٰ نے بڑی قوت رکھی ہے۔ خدا نے مجھے بار بار بذریعہ الہامات کے یہی فرمایا ہے کہ جو کچھ ہوگا دعاء ہی کے ذریعہ ہوگا۔ ہمارا ہتھیار تو دعاء ہی ہے۔ اور اس کے سوائے ہتھیار میرے پاس نہیں۔ جو کچھ ہم پوشیدہ مانگتے ہیں خدا اس کو ظاہر کر کے دکھا دیتا ہے ..... دعاء سے بڑھ کر اور کوئی ہتھیار نہیں۔

دعا کرنا موت اختیار کرنے کے برابر ہے

فرمایا کرتے تھے:۔

اکثر لوگ دعاء کی اصل فلاسفی سے ناواقف ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ دعاء کے ٹھیک ٹھکانہ پر پہنچنے کے واسطے کس قدر توجہ اور محنت درکار ہے۔ دراصل دعا کرنا ایک قسم کی موت کا اختیار کرنا ہوتا ہے۔

دعاء میں علیحدگی

فرمایا کرتے تھے:۔

"جب خوف الٰہی اور محبت غالب آتی ہے۔ تو باقی تمام خوف اور محبتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ ایسی دعاء کے واسطے علیحدگی بھی ضروری ہے۔ اسی پورے تعلق کے ساتھ انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک تعلق ایک رشتہ کو چاہتا ہے"۔

اپنی زبان میں دعاء

فرمایا کرتے تھے۔

"نماز میں اپنی زبان میں دعاء مانگنی چاہیئے۔ کیونکہ اپنی زبان میں دعا مانگنے سے پورا جوش پیدا ہوتا ہے۔ سورہ فاتحہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اسی طرح عربی زبان میں ہی پڑھنا چاہیئے۔ اور قرآن شریف کا حصہ جو اس کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ وہ بھی عربی زبان میں ہی پڑھنا چاہیئے۔ اس اس کے بعد مقررہ دعائیں اور تسبیح بھی اسی طرح عربی زبان میں پڑھنی چاہئیں۔ لیکن ان سب کا ترجمہ سیکھ لینا چاہیئے۔ اور ان کے علاوہ پھر اپنی زبان میں دعائیں مانگنی چاہئیں۔ تاکہ حضور دل پیدا ہو جائے۔ کیونکہ جس نماز میں حضور دل نہیں وہ نماز نہیں۔ آج کل لوگوں کی عادت ہے کہ نماز تو ٹھونگیدار پڑھ لیتے ہیں۔ جلدی جلدی نماز ادا کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی بیگار ہوتی ہے۔ پھر پیچھے سے لمبی لمبی دعائیں مانگنی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بدعت ہے۔ حدیث شریف میں کسی جگہ اس کا ذکر نہیں آیا۔ کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد پھر دعا کی جاوے۔ ناداں لوگ نماز کو تو ٹیکس جانتے ہیں۔ اور دعا کو اس سے علیحدہ کرتے ہیں۔ نماز خود دعاء ہے۔ دین و دنیا کی تمام مشکلات کے واسطے اور ہر ایک مصیبت کے وقت انسان کو نماز کے اندر دعائیں مانگنی چاہئیں۔ نماز کے اندر ہر موقعہ پر دعا کی جا سکتی ہے۔ رکوع میں بعد تسبیح۔ سجدہ میں بعد تسبیح۔ التحیات کے بعد کھڑے ہو کر رکوع کے بعد بہت دعائیں کرو۔ تا کہ مالا مال ہو جاؤ۔ چاہیئے کہ دعا کے وقت آستانہ الوہیت پر روح پانی کی طرح بہہ جائے۔ ایسی دعاء دل کو پاک و صاف کر دیتی ہے۔ یہ دعا میسر آئے۔ تو پھر خواہ انسان چار پہر دعاء میں کھڑا رہے۔ گناہوں کی گرفتاری سے بچنے کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعاء مانگنی چاہیئے۔

دعا ایک علاج ہے۔ جس سے گناہ کی زہر دور ہو جاتی ہے۔ بعض نادان لوگ خیال کرتے ہیں کہ اپنی زبان میں دعاء مانگنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ غلط خیال ہے۔ ایسے لوگوں کی نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے"۔

حقیقت دعاء

ایک دفعہ فرمایا۔ جب دعا اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ تو اس کی حقیقت کی مثال ظلی طور پر اس طرح ہے کہ گویا دعا کرنے والا خدا بن جاتا ہے۔ اور اس کی زبان گویا خدا کی زبان ہوتی ہے ....

ایں دعائے شیخ

مگر یہ حالت خدا کی طرف سے آتی ہے انسان کے اختیار میں کچھ نہیں۔ دعاء حق ہے۔ اس میں انسان اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی چادر کے نیچے مخفی ہو جاتا ہے۔ عبودیت کو ربوبیت کے ساتھ قدیم سے ایک رشتہ ہے جس کا نام خلافت ہے ......

ہر دعا سے قبل سورہ فاتحہ

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں میں ہمیشہ یہ کوشش کرتا تھا کہ ہر مجلس میں اور ہر موقعہ پر حضرت صاحب کے قریب ہو کر بیٹھوں۔ بعض دفعہ جب کوئی دوست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں دعاء کی تحریک کرتے اور حضور اسی مجلس میں دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتے۔ تو میں بہت قریب ہو کر یہ سننے کی کوشش کرتا کہ حضور کیا الفاظ مونہہ سے نکال رہے ہیں۔ بار بار کے تجربہ سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر دعاء میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ ضرور پڑھتے تھے اور بعد میں کوئی اور دعاء کرتے تھے۔

سب کے واسطے دعاء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت تھی کہ ہر ایک دعاء کے موقعہ پر اپنے خدام کو اپنی دعاؤں میں یاد کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت قاضی امیر حسین صاحب رضی اللہ عنہ کا ایک خورد سال بچہ فوت ہو گیا۔ اس کے جنازہ کی نماز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود پڑھائی۔ اور عموماً جنازوں کی نمازوں میں حضور خود ہی پیش امام ہوا کرتے تھے۔ اس وقت قادیان میں جماعت تھوڑی تھی۔ اس جنازہ میں شامل ہونے والے احباب کی تعداد ۱۴، ۱۵ کے قریب تھی۔ نماز کے بعد ایک شخص نے عرض کیا حضور میرے واسطے دعاء کریں۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ میں نے تو ابھی اس نماز میں سب کا جنازہ پڑھ دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ صرف میت اور اس کے لواحقین کے لئے دعاء نہیں کی تھی بلکہ جتنے لوگ جنازہ میں شامل ہوئے سب کے لئے دعا کر دی تھی۔

بیت الدعاء

۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"ہم نے سوچا کہ عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ ستر سال کے قریب عمر سے گزر چکے ہیں۔ موت کا وقت معلوم نہیں۔ خدا جانے کس وقت آ جائے اور کام ہمارا ابھی بہت باقی پڑا ہے۔ ادھر قلم کی طاقت کمزور ثابت ہوئی ہے۔ رہی سیف اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا اذن اور منشاء نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ اور اسی سے قوت پانے کے واسطے ایک الگ حجرہ بنایا۔ اور خدا سے دعا کی۔ کہ اس مسجد البیت اور بیت الدعاء کو امن اور سلامتی اور اعداء پر بذریعہ دلائل نیرہ اور براہین ساطعہ کے فتح کا گھر بنا۔

دعا کرنے میں ہلاکت

۴۔جون ۱۹۰۴ء کو فرمایا نماز اصل میں دعاء ہے۔ اگر انسان کا نماز میں دل نہ لگے۔ تو پھر ہلاکت کے لئے تیار ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص دعا نہیں کرتا وہ گویا خود

ہلاکت کے نزدیک جاتا ہے۔ دیکھو ایک طاقتور حاکم ہے۔ جو بار بار اس امر کی ندا کرتا ہے کہ میں دکھیاروں کا دکھ اٹھاتا ہوں۔ مشکل والوں کی مشکل حل کرتا ہوں۔ میں بہت رحم کرتا ہوں۔ بیکسوں کی امداد کرتا ہوں۔ لیکن ایک شخص جو مشکل میں مبتلا ہے۔ اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ اور اس کی ندا کی پروا نہیں کرتا۔ نہ اپنی مشکل کا اس کے آگے بیان کر کے طلب امداد کرتا ہے۔ تو سوائے اس کے کہ وہ تباہ ہو اور کیا ہوگا۔ خدا تعالیٰ ہر وقت انسان کو آرام دینے کے واسطے تیار ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس سے درخواست کرے۔ قبولیت دعا کے واسطے ضروری ہے کہ انسان نافرمانی سے باز رہے۔ اور بڑے زور سے دعاء کرے۔ کیونکہ پتھر پر پتھر زور سے پڑتا ہے تب آگ پیدا ہوتی ہے۔

حقیقت دعاء

اکتوبر ۱۹۰۴ء کو فرمایا۔

"یاد رکھو کہ انسان کی بڑی سجاوٹ اور اس کی حفاظت کا اصل ذریعہ دعاء ہی ہے۔ یہی دعاء اس کے لئے پناہ ہے۔ اگر وہ ہر وقت اس میں لگا رہے۔ یہ بھی یقیناً سمجھو کہ یہ ہتھیار اور نعمت صرف اسلام ہی میں دی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب اس عطیہ سے محروم ہیں۔ آریہ لوگ بھلا کیوں دعا کرینگے جبکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ تناسخ کے چکر میں سے ہم نکل ہی نہیں سکتے۔ اور کسی گناہ کی معافی کی کوئی امید ہی نہیں ہے۔ ان کو دعا کی کیا حاجت اور کیا ضرورت اور اس سے کیا فائدہ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آریہ مذہب میں دعا ایک بے فائدہ چیز ہے۔ اور پھر عیسائی دعا کیوں کریں گے۔ جبکہ وہ جانتے ہیں کہ دوبارہ کوئی گناہ بخشا نہیں جائے گا۔ کیونکہ مسیح دوبارہ تو مصلوب ہو ہی نہیں سکتا۔ پس یہ خاص اکرام اسلام کے لئے ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے لیکن اگر آپ ہی اس فضل سے محروم ہو جائیں۔ اور خود ہی اس دروازہ کو بند کر دیں۔ تو پھر کس کا گناہ ہے۔ جب ایک حیات بخش چشمہ موجود ہے اور آدمی ہر وقت اس سے پانی پی سکتا ہے۔ پھر بھی اگر کوئی اس سے سیراب نہیں ہوتا ہے تو خود طالب موت اور نشانہ ہلاکت ہے۔ اس صورت میں تو چاہئے کہ اس پر منہ رکھ دے اور خوب سیراب ہو کر پانی پی لیوے۔ یہ میری نصیحت ہے۔ جس کو میں ساری نصائح قرآنی کا مغز سمجھتا ہوں۔ قرآن شریف کے تیس پارے ہیں اور سب کے سب نصائح سے لبریز ہیں۔ لیکن ہر شخص نہیں جانتا کہ ان میں وہ نصیحت کونسی ہے جس پر اگر مضبوط ہو جائیں اور اس پر پورا عمل در آمد کریں۔ تو قرآن کریم کے سارے احکام پر چلنے اور ساری منہیات سے بچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ مگر میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ وہ کلید اور قوت دعاء ہے۔ دعاء کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں یقین رکھتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ پھر اللہ تعالیٰ ساری مشکلات کو آسان کر دے گا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ دعا کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ دعاء کیا چیز ہے۔ دعاء یہی نہیں کہ چند لفظ منہ سے بڑبڑائے یہ تو کچھ بھی نہیں۔

دعاء اور دعوت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو اپنی مدد کے لئے پکارنا اور اس کا کمال اور موثر ہونا اس وقت ہوتا ہے۔ جب انسان کمال درد دل اور سوز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کو پکارے ایسا ہی اس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر آستانہ الٰہی کی طرف بہہ نکلے۔ یا جس طرح کوئی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ دوسرے لوگوں کو اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے۔ تو دیکھتے ہو کہ اس کی پکار میں کیا انقلاب اور تغیر ہوتا ہے۔ اس کی آواز ہی میں وہ درد بھرا ہوا ہوتا ہے جو دوسروں کے رحم کو جذب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ دعا جو اللہ تعالیٰ سے کی جائے اس کی آواز اس کا لب و لہجہ اور ہی ہوتا ہے۔ اس دعاء کے وقت آواز ایسی ہو کہ سارے عضو اس سے متاثر ہو جائیں۔ اور زبان میں خشوع خضوع ہو۔ دل میں درد اور رقت ہو۔ اعضاء میں انکسار اور رجوع الی اللہ ہو اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر کامل ایمان اور پوری امید ہو۔ ایسی حالت میں جب آستانہ الوہیت پر گرے گا نامراد واپس نہ ہوگا۔ چاہئے کہ اس حالت میں بار بار حضور الٰہی میں عرض کرے کہ میں گنہگار ہوں اور کمزور ہوں۔ تیری دستگیری اور فضل کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا۔ تو آپ رحم فرما اور مجھے گناہوں سے پاک کر کیونکہ تیرے فضل و کرم کے سوا کوئی اور نہیں جو مجھے پاک کرے۔ جب اس قسم کی دعاء میں مداومت کرے گا اور استقلال اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور تائید کا طالب رہے گا۔ تو کسی نامعلوم وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور سکینت اس کے دل پر نازل ہوگی۔ جو دل سے گناہ کی تاریکی کو دور کرے گی اور غیب سے ایک طاقت عطا ہوگی جو گناہ سے بیزاری پیدا کرے گی۔ اور وہ ان سے بچیگا۔ اس حالت میں دیکھے گا کہ میرا دل جذبات اور نفسانی خواہشوں کا ایسا اسیر اور گرفتار تھا گویا ہزاروں ہزار زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ جو بے اختیار اسے کھینچ کر گناہ کی طرف لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ سب زنجیر ٹوٹ گئے ہیں اور آزاد ہو گیا ہے۔ اور جیسے پہلی حالت میں گناہ کی طرف ایک رغبت اور رجوع تھا۔ اس حالت میں وہ محسوس اور مشاہدہ کرے گا کہ وہی رغبت اور رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ گناہ سے محبت کی بجائے نفرت اور اللہ تعالیٰ سے وحشت اور نفرت کی بجائے محبت اور کشش پیدا ہوگی۔

اوروں سے دعاء کرانا

جب حضرت مفتی محمد صادق صاحب لاہور میں اکونٹنٹ جنرل کے دفتر میں ملازم تھے۔ ان دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ملتان کے سفر پر تشریف لے گئے۔ لاہور میں حضور کو دوسری گاڑی کے انتظار میں ٹھہرانا پڑا۔ ان دنوں حضرت مفتی صاحب بہت بیمار تھے۔ جب حضور لاہور اترے تو اسٹیشن سے ان کی عیادت کے لئے انکے مکان پر تشریف لے گئے جو محلہ استھان میں تھا۔ اور انہوں

نے کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ ایک گھنٹہ کے قریب ان کے پاس بیٹھے رہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب بھی ہمراہ تھے۔ جب آپ تشریف لے جانے لگے تو انہیں فرمایا کہ مفتی صاحب آپ بیمار ہیں اور بیمار کی بھی دعاء قبول ہوتی ہے۔ آپ ہمارے کام میں کامیابی کے لئے دعا کریں۔ بندہ بھی اس وقت حضرت مفتی صاحب کے پاس موجود تھا۔ یہ آخر اکتوبر ۱۸۹۷ء کا واقعہ ہے۔ اس طرح سے گاہے گاہے آپ دوسروں سے بھی اپنے مقاصد کے واسطے دعاء کرایا کرتے تھے۔

ایک طریقہ دعاء

جموں کے رہنے والے خلیفہ نورالدین صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ اور آجکل سو سال کی عمر میں جموں میں مقیم ہیں (اشاعت ہذا کے وقت فوت ہو چکے ہیں رضی اللہ عنہ۔ عرفانی) انہوں نے ذکر کیا کہ ایک دفعہ میری آنکھیں دکھتی تھیں۔ بہت علاج کئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور میری آنکھیں اچھی ہونے میں نہیں آتیں۔ حضور نے فرمایا آپ ان الفاظ میں دعا کیا کریں۔

"اے خدا میرے وہ گناہ بھی بخش جن کی وجہ سے میں اس آنکھوں کے مرض میں گرفتار ہو گیا ہوں"۔

دعاء سے عربی تصنیف

اپنے ابتدائی ایام تصانیف میں حضرت مسیح موعود علیہ والسلام نے کوئی کتاب عربی زبان میں نہیں لکھی تھی۔ بلکہ تمام تصانیف اردو میں یا نظم کا حصہ فارسی میں لکھا۔ ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی نے عرض کیا کہ حضور کچھ عربی میں بھی لکھیں۔ تو بڑی سادگی اور بے تکلفی سے فرمایا کہ میں عربی نہیں جانتا۔ مولوی صاحب بے تکلف آدمی تھے انہوں نے پھر عرض بھی کچھ کیا کہ میں کب کہتا ہوں کہ حضور عربی جانتے ہیں۔ میری غرض تو یہ ہے کہ کوہ طور پر جائیے اور وہاں سے کچھ لائیے۔ فرمایا ہاں میں دعا کروں گا۔ اس کے بعد آپ تشریف لے گئے اور جب دوبارہ تشریف لائے تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ مولوی صاحب میں نے دعاء کر کے عربی لکھنی شروع کی۔ تو یہ بہت ہی آسان معلوم ہوئی۔ چنانچہ پہلے میں نے نظم ہی لکھی اور کوئی سو شعر عربی میں لکھ کر لے آیا ہوں آپ سنئے۔ یہ عربی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی تصنیف تھی اور کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے کئی کتابیں عربی میں تصنیف کیں۔ اور زمانہ بھر کے علماء کو چیلنج کیا کہ کوئی آپ کے مقابلہ میں ایسی فصیح اور بلیغ پر معنی و معارف و حقائق سے پر عبارت عربی زبان میں لکھ کر دکھائے مگر کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ اس مقابلہ کے لئے کھڑا ہوتا۔ الغرض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کاروبار کا انحصار دعاؤں پر تھا۔ آپ کی زندگی کے اوقات کا اکثر حصہ دعاؤں میں گزرتا تھا۔ ہر کام سے قبل آپ دعاء کیا کرتے تھے۔ اور اپنے دوستوں کو بھی دعاؤں کے طرف متوجہ کرتے رہتے تھے۔ دعاء کو آپ ایک عظیم الشان نعمت یقین کرتے تھے۔ کسی اور ذریعہ کو آپ ایسا عظیم التاثیر نہیں بتلاتے تھے۔ جیسا کہ دعاء کو اسباب طبیعہ میں سے ایک سبب بتلاتے تھے۔ سرسید بانی علی گڑھ کالج کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرت ہائے حق
قصہ کوتاہ کن بہ بین از ما دعائے مستجاب

محترمہ امتہ الرشید شوکت صاحبہ

انتقال فرماگئیں

○ احباب جماعت کو افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب مرحوم مفتی سلسلہ کی اہلیہ محترمہ آپا امتہ الرشید شوکت صاحبہ مورخہ 31۔ جنوری 1999ء کو کیلگری کینیڈا میں وفات پاگئیں ان کی عمر قریباً 79 سال تھی۔ آپ عرصہ 17 سال (1960ء تا 1977ء) احمدی خواتین کے رسالہ ماہنامہ مصباح ربوہ کی مدیرہ رہیں۔ حضور ایدہ اللہ نے نماز جنازہ غائب پڑھائی اور اردو کلاس اور بچوں کی کلاس میں ان کا ذکر فرمایا۔

منگل 2۔ فروری کو موصوفہ کی نماز جنازہ مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب امیر و مربی انچارج کینیڈا نے کیلگری میں پڑھائی۔ 6۔ فروری کو موصوفہ کے صاحبزادے ان کا جسد خاکی پاکستان لائے۔ 7۔ فروری کو دن دس بجے احاطہ صدر انجمن احمدیہ میں محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ نے نماز جنازہ پڑھائی جس کے بعد بوجہ موصیہ ہونے کے بہشتی مقبرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ قبر تیار ہونے پر محترم صاحبزادہ صاحب موصوف نے ہی دعا کرائی۔

محترمہ آپا امتہ الرشید شوکت صاحبہ 31۔ مئی 1920ء کو قادیان میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد کا نام میاں چراغ دین صاحب تھا دینیات کلاس قادیان میں تعلیم پائی۔ 1942ء میں آپ کی شادی حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ اور پرنسپل جامعہ احمدیہ سے ہوئی۔ مدیرہ مصباح کے علاوہ آپ کو مرکزی مجلس عاملہ لجنہ اماء اللہ میں بھی مختلف شعبوں کی سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات بجالانے کی توفیق ملی۔ اپنے محلہ میں کئی سال صدر لجنہ رہیں۔ 1976ء میں پہلی بار بیرون ملک تشریف لے گئیں بعد ازاں 1984ء میں محترم ملک صاحب مرحوم کے ہمراہ مستقل طور پر کینیڈا شفٹ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیک اور خادم دین اولاد سے نوازا۔ 4 بیٹیاں اور 3 بیٹے آپ کی یادگار ہیں۔ موصوفہ 13 سال تک نصرت گرلز سکول ربوہ میں اور پھر 22 سال تک فضل عمر سکول ربوہ میں پڑھاتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محترمہ موصوفہ آپا شوکت صاحبہ کی جملہ خدمات دینیہ کو قبول فرمائے اور اس کے بڑھ چڑھ کر اجر عطا فرمائے اور آپ کے درجات کو ہر لحظہ و ہر آن بڑھاتا چلا جائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆

لِقَاءِ مَعَ الْعَرَبْ

۲۴/جولائی ۱۹۹۴ء

(مرتبہ: صفدر حسین عباسی)

"لقاء مع العرب" مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ (MTA) انٹرنیشنل کے مقبول ترین پروگراموں میں سے ایک نہایت مفید، دلچسپ اور ہردلعزیز پروگرام ہے۔ اس میں سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز عربوں کے سوالات کے جواب انگریزی زبان میں ارشاد فرماتے ہیں اور پھر ان کا عربی ترجمہ پیش کیا جاتاہے۔ اردودان احباب کے استفادہ کے لئے "لقاء مع العرب" کے ان پروگرامز کاخلاصہ **ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری** پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہاہے۔ ان پروگراموں کی آڈیو، ویڈیو کیسٹس آپ اپنے ملک کے مرکزی مشن میں قائم شعبہ سمعی بصری سے یا شعبہ آڈیو/ ویڈیو مسجد فضل لندن یوکے سے بھی حاصل کرسکتے ہیں۔(ادارہ)

حضرت عیسیٰؑ کی ہجرت کشمیر

سوال: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کے متعلق فرماتاہے: "وجَعَلنا ابن مریم و امّہ آیۃ و اٰوینھما الی ربوۃٍ ذات قرارٍ و معین"۔(سورۃ المومنون:۵۱)

ہم احمدی مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب سے نجات دی اورحضرت عیسیٰؑ اوران کی والدہ نے ہجرت کر کے اس جگہ پناہ لی جس کا اس آیت میں ذکر ہے اور وہ جگہ "کشمیر" ہے۔

کیا اس بارہ میں کوئی تاریخی شواہد موجودہیں کہ ہجرت کے بعد اورکشمیر میں قیام کے دوران حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام یا وحی ہوئی ہو۔کیونکہ خدائی منشاء کے تحت آپ ایک بہت ہی پاکیزہ مشن پر تھے۔ اوراس عرصہ قیام میں بھی آپ کی حیثیت ایک نبی ہی کی تھی؟

جواب: حضور انور نے فرمایا: جب آپ نے یہ سوال پیش کرناشروع کیا تواس دوران میں نے کئی بار یہ سوچاکہ اب آپ یہاں اس سوال کو ختم کریں گے لیکن آپ نے اس سوال میں پیداہونے والے کئی سوالوں پر رکے بغیر اختتام بالکل مختلف انداز سے کیاہے۔ لیکن جب تک اس سوال کی درمیانی متفرق کڑیوں کو آپس میں جوڑا نہ جائے اس وقت تک اس سوال کاجواب نامکمل اور تشنہ رہے گااور عام لوگوں کو سمجھ نہیں آئے گی اور جواب سے تسلی نہیں ہوگی۔ اس لئے پہلے میں مختصراً ان تاریخی واقعات کا ذکر بھی کرناچاہتاہوں جو صلیب سے نجات کے فوراً بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیش آئے۔

سب سے پہلے تو یہ سوال پیداہوتاہے کہ لفظ "اوی" کا کیا مطلب ہے؟ اور کس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے قرآن کریم نے اس لفظ کواستعمال کیاہے۔

جب کبھی بھی غیر احمدی احباب سے اس آیت پر گفتگو ہوتی ہے توان کانظریہ یہ معلوم ہوتاہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے حضرت مریم نے جس جگہ پناہ لی تھی اس کے متعلق قرآن کریم اس آیت "وآوینٰھما الی ربوۃٍ ذات قرار ومعین" میں اشارہ فرمارہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کا طرزِبیان غیراحمدیوں کی اس تفسیر اوراس آیت سے اخذ کئے جانے والے معانی کے بالکل مختلف ہے اور کلیۃً اس مفہوم کررد کررہاہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی زبان لے لیں جب ایک حاملہ عورت ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتی ہے توکسی زبان میں بھی اس کے لئے تثنیہ کی ضمیر استعمال نہیں کی جاتی بلکہ اسے فردواحد ہی شمار کیاجاتاہے۔

دوسری بات یہ کہ قرآن کریم اس آیت میں پہلے اِبن (بیٹے) کاذکر کررہاہے اور پھر "واُمّہ" اس کی ماں کا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں دو افراد کے متعلق بات ہو رہی ہے اس لئے تثنیہ کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ بایں وجہ اس آیت سے غیراحمدی جو معنی لیتے ہیں اس پر توجہ کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حاملہ ہونے کی حالت میں حضرت مریمؑ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے سے متعلق واقعہ کو قرآن کریم بوضاحت ایک اور مقام پر سورۃ مریم میں یوں بیان فرماتاہے:

"واذکر فی الکتٰب مریم اذانتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاً"۔(مریم:۱۷)

یہاں صرف ایک ہی وجود کی طرف اشارہ کر کے سارا واقعہ بیان کیا گیاہے۔ اور تثنیہ کا صیغہ استعمال نہیں کیاگیا۔ لیکن اس آیت زیرنظر

میں اللہ تعالیٰ کا پہلے "ابن" کا لفظ فرمانا اور پھر "اُمّہ" اس کی ماں کا اور پھر تثنیہ کی ضمیر کا استعمال بتاتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے بعد کی بات ہو رہی ہے۔ اور دو وجودوں کی بات ہو رہی ہے۔ حیرانگی ہوتی ہے کہ اتنے کھلے کھلے اور واضح بیان کے باوجود غیر احمدی اس آیت "وَاٰوَیْنٰھُمَا ......الخ" سے یہ مطلب کیسے لیتے ہیں کہ اس میں حضرت مریم کے حاملہ ہونے کی حالت میں دوسری جگہ پناہ لینے والے واقعہ کا ذکر ہے۔

دوسری بات یہ معلوم کرنے والی ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد وہ دونوں آخر کہاں غائب ہو گئے؟ کہاں چلے گئے؟

قرآن کریم ہمیں ان کی جائے ہجرت بتاتا ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں پہاڑ ہیں، اونچی جگہ ہے اور ایسی جگہ ہے جہاں امن ہے، ذاتِ قرارٍ و مَعِین۔ اور وہاں بہت سارے چشمے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سارا بیان اور تفصیل بڑی خوبصورتی سے "کشمیر" پر چسپاں ہو رہی ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کیسے مان لیا جائے کہ اس آیت میں بیان کردہ جگہ کشمیر ہی ہے اور کیسے ہم تحدی سے کہہ سکتے ہیں کہ کشمیر ہی وہ مقام ہے۔

سو واضح ہو کہ یہ ایسا واقعہ ہے جس کا تعلق حضرت عیسیٰؑ سے ہے۔ جب قرآن کریم اس واقعہ کو بیان کر رہا ہے تو پھر توقع کی جاتی ہے کہ عہد نامہ جدید میں بھی اس واقعہ کا ذکر ضرور ہو گا۔

حضرت عیسیٰؑ نے واقعہ صلیب سے قبل اپنے حواریوں سے کہا تھا کہ وہ انہیں چھوڑ کر اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں جائیں گے۔ اور یہ وعدہ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر چڑھنے سے پہلے اپنے لوگوں سے کیا تھا۔

جو کوئی بھی یہودی تاریخ کا تھوڑا سا علم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس سے قبل اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو Judia سے نکال باہر کیا گیا تھا اور انہوں نے ایک جگہ جس کا نام ڈائسپورا ہے کی طرف نقل مکانی کی تھی جہاں سے وہ بکھر گئے تھے اور مشرقی ممالک میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اب حضرت عیسیٰؑ اپنے لوگوں سے یہ وعدہ کر رہے ہیں کہ میں تمہیں چھوڑ کر ان گمشدہ قبائل کی تلاش میں جاؤں گا۔ اگر یہ بات سمجھ آ جائے تو پھر قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بالکل واضح اور روشن ہو جائے گا۔

خدا تعالیٰ کا نبی ایک وعدہ کرتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اس وعدے کو ایفاء کئے بغیر فوت ہو جائے۔ اور پھر جیسا کہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ صلیب پر مرنے کی بجائے اسے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ تو پھر اس وعدہ کا کیا ہوا؟ کیا حضرت عیسیٰؑ اس وعدہ کو بھول گئے تھے یا خدا تعالیٰ اس وعدہ کو بھول گیا تھا؟ اسے آسمان پر اٹھایا ہی نہیں جا سکتا تھا جب تک کہ وہ اس الٰہی وعدہ کو پورا نہ کر دیتا۔

پھر حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ان کی والدہ کو بھی ملائے رکھا۔ تو جس مقام کی طرف بھی یہ آیت اشارہ کر رہی ہے وہ دونوں اس جگہ گئے تھے۔

حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے قبل جہاں گئی تھیں ہم جانتے ہیں کہ بچہ کی پیدائش کے بعد وہاں سے واپس لوٹ آئی تھیں اور یہ بات سبھی کو علم ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

لفظ "اوی" بتا رہا ہے کہ خطرے کی جگہ سے کہیں دور مقام تھا اور خطرے سے بچنے کے لئے پناہ گاہ تھی اور سب سے بڑے خطرہ اور شدید مخالفت کا سامنا حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو یہودیوں کی طرف سے کرنا پڑا جو آخر واقعہ صلیب پر منتج ہوا۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان دونوں کو بچا لیا اور شدید خطرہ کے مقام سے نکال کر انہیں ایک ایسے مقام پر لے گیا جو بہت پُر امن، سرسبز پہاڑوں اور چشموں والا علاقہ تھا جس کا ذکر پہلے قرآن کریم کرتا ہے اور پھر بائبل میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کریم اس جگہ کی تفصیل بیان کرتا ہے جبکہ بائبل ان لوگوں کا تعارف پیش کرتی ہے جو اس علاقہ میں رہتے تھے۔

مغربی دنیا کے عیسائی محققین اس بات کو مانتے ہیں کہ افغانستان اور کشمیر کے لوگ یہودی النسل ہیں، اسرائیلی ہیں۔ جو کوئی بھی ان کی صورت دیکھتا ہے فوراً پہچان لیتا ہے۔ اگر تم افغان قبیلوں کو دیکھو، عیسیٰ خیل، موسیٰ خیل یہ نام اور اصطلاحات سوائے اس علاقہ کے لوگوں کے اور کہیں استعمال نہیں ہوتیں۔ اور کشمیر جائیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس کثرت سے وہ الفاظ ان لوگوں میں مستعمل ہیں جو پرانے زمانہ میں فلسطین کے علاقہ میں بولے جاتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "مسیح ہندوستان میں" میں اس کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ یہ آیت کشمیر کے علاقہ کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ اگرچہ کشمیر کا نام مذکور نہیں لیکن حضرت عیسیٰؑ اپنے وعدہ کے مطابق یقیناً ایسے علاقہ میں گئے تھے جہاں بنی اسرائیل کے وہ دس قبیلے گئے تھے اور وہ قبیلے یقیناً کشمیر کے علاقہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ یہ آیت افغانستان پر چسپاں نہیں ہوتی۔ افغانستان کا تو امن کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور جس جنّت کی اس آیت میں تفصیل مندرج ہے وہ افغانستان پر بالکل بھی صادر نہیں آتی۔ لیکن کشمیر ایسا علاقہ ہے جو سو فیصد جنت کی عکاسی کرتا ہے۔

اب میں آپ کے سوال کے آخری حصہ کی طرف آتا ہوں کہ واقعہ صلیب کے بعد جب حضرت عیسیٰؑ ہجرت کر کے کشمیر کے علاقہ میں جا بسے تو کیا اس دوران بھی آپ کو خدا تعالیٰ سے وحی و الہام ہوتا رہا؟ کیونکہ آپ اس وقت بھی خدا کے رسول ہی تھے۔ تو میرا جواب ہے، ہاں یہ سلسلۂ وحی و الہام یقیناً جاری رہا ہو گا۔ لیکن وہ وحی و الہام جو آپ کو ہوئے اس سے مختلف تھے جو بعد میں تحریر میں لائے گئے۔ جو چار کتابیں خدا کے نام پر لکھی گئیں ان کے بارہ میں کچھ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہی اصل واقعات ہیں جو رونما ہوئے یا انہیں بعد میں ردّوبدل کر کے لکھا گیا۔ جس طرح سینٹ جان نے اس میں چند ایسی نئی باتیں لکھیں جو بائبل کے پہلے تین سکرپٹس (Scripts) متی، لوقا اور مرقس

میں کہیں بھی مذکور نہیں۔ اور اس کی اس تحریف کے نتیجے میں عیسائیوں میں باپ ، بیٹا، روح القدس۔ تثلیث کا سارا فلسفہ وجود میں آیا۔ میں یہ صرف ایک مثال دے رہا ہوں کہ بعد میں لکھی جانے والی بائبل پر کسی طور پر بھی اعتبار و انحصار نہیں کیا جاسکتا کہ جو واقعات اس میں درج ہیں وہ ہو بہو وہی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو پیش آئے۔ اس لئے قرآن کریم میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حضرت عیسیٰؑ سے سوال کرے گا کہ کیا تم نے ان لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا؟ تو اس کے جواب میں حضرت عیسیٰؑ کہیں گے :

كُنتُ عَلَيهِم شَهِيداً مَا دُمتُ فِيهِم . فَلَمَّا تَوَفَّيتَنِي كُنتَ اَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِم۔

(المائدہ :۱۱۸)

مَادُمتُ فِيهِم بہت اہم اور قابل غور مقام ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰؑ ان میں رہے بائبل تحریف سے بالکل پاک تھی۔ جب وہ ان لوگوں کو چھوڑ گئے تو پھر کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ تو وہ بائبل جو آپ کے پاس ہجرت کے وقت تھی یقیناً موجودہ بائبل سے بہت مختلف ہوگی۔ ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خبر دی کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو سچائی تمہیں بتلائی گئی ہے یہ زمین اُس بارہ میں ثبوت مہیا کرے گی۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی جو کہ ایک ریسرچ پیپر (تحقیقی مضمون) تھا۔ اس کا ٹائٹل تھا "Among the Darveshes"۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک سکالر ہرات کے علاقہ میں گمشدہ قبیلوں سے متعلق تحقیق کی غرض سے گیا کہ دیکھوں کہ ان لوگوں کا کلچر اور تہذیب وتمدن کیسا تھا۔ وہ اس کتاب میں لکھتا ہے کہ یہ جان کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب میں پٹھانوں کے ایک ایسے قبیلے سے ملا جو اپنے آپ کو کرسچن مسلم (عیسائی مسلمان) کہتے ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کرسچن مسلم کیا بات ہوئی؟ تم کرسچن ہو یا مسلم؟

وہ سکالر مزید لکھتا ہے کہ اس پٹھان قبیلہ کا نام موسائی تھا، حضرت موسیٰؑ کی نسبت سے، اور ان کے لیڈر کا نام لبا یحیٰ تھا۔ لبا کا مطلب ہے بڑا بزرگ۔ وہ سکالر بیان کرتا ہے کہ باوجودیکہ یہ میری تحقیق کا حصہ نہیں تھا پھر بھی میں لبا یحیٰ کو جا کر ملا۔ اس نے مجھے حیرت انگیز باتیں بتائیں کہ تم لوگ جو یہ سمجھتے ہو کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب دیئے گئے اور انہوں نے صلیب پر جان دے دی یہ بالکل غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا تعالیٰ نے صلیب کی لعنتی موت سے نجات بخشی تھی اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے ہجرت کی تھی اور ہجرت کے سفر میں آپ کا رخ کشمیر کی طرف تھا۔ اور کشمیر جاتے ہوئے آپ کچھ عرصہ یہاں بھی ٹھہرے تھے۔ اور ہمیں خدا تعالیٰ کی سچی تعلیم سکھائی تھی۔ جو خدائی تعلیم انہوں نے ہمیں دی تھی ابھی بھی نوشتوں (Scrolls) کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اس میں نہ تو کسی تثلیث کا ذکر ہے اور نہ ہی ان کے خدا کے بیٹے ہونے کا کوئی تصور موجود ہے۔ اور شرک کی وہ تمام تعلیمات جو تم اپنے عہد نامہ میں پاتے ہو ہمارے پاس موجود تعلیم میں ان کا نام ونشان تک نہیں۔

اس لبا یحیٰ نے اس سکالر کو بتایا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ کی ہی برکت تھی اور آپ کی صاف اور روشن توحید پر مبنی تعلیم ہی تھی کہ جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور ہم تک ان کا پیغام پہنچا تو بلاشک ہم فوراً آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ لیکن یاد رکھو کہ آنحضرت ﷺ کی سچائی کو پہچاننے میں جو چیز ہماری راہنما ہوئی وہ حضرت عیسیٰؑ کی سچی تعلیم تھی۔ اس لئے ہم انہیں نہیں بھول سکتے۔ لہٰذا ہمارے آباء واجداد نے یہی فیصلہ کیا کہ ہم اپنے آپ کو کرسچن مسلم کہیں گے۔ اسی طرح وہ لوگ جو حضرت عیسیٰؑ کو "ناصرہ کا مسیح" اور "کشمیر کا مسیح" کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ چونکہ مسیح ناصرہ میں پیدا ہوئے اور کشمیر میں وفات پائی۔

ہمارا ایمان ہے کہ یقیناً حضرت عیسیٰؑ پر دوران ہجرت اور قیام کشمیر میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی والہام کا سلسلہ جاری رہا ہوگا لیکن وہ وحی کیا تھی۔ سوائے اس کے کہ سکالرز وہاں جائیں اور ان محفوظ Scrolls کا مطالعہ کریں۔ اس وقت تک ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں البتہ کشمیر اور نیپال کے علاقوں میں بعض ایسے پتھر ملے ہیں جن پر حضرت عیسیٰؑ کے بعض وحی والہامات لکھے ہوئے ہیں۔ تحقیق کی خاطر امریکہ سے ایک سکالر وہاں گیا ہے۔ وہ سکالر کشمیر جاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے مجھے بھی ملنے کے لئے آیا اور اس سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی۔ اس نے بتایا کہ میرے کشمیر جانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں حضرت عیسیٰؑ کے کشمیر جانے اور اس دوران آپ پر ہونے والے وحی والہام سے متعلق ٹھوس ثبوت حاصل کر سکوں۔

اللہ کرے کہ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوں اور اپنے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی وحی والہام سے متعلق ٹھوس ثبوت حاصل کر کے لوٹیں تو پھر میں آپ کو اس سوال کا جواب صرف زبانی کلامی ہی نہیں بلکہ ٹھوس ثبوت کے ساتھ دے سکوں گا۔ انشاء اللہ۔

☆......☆......☆

امام مہدیؑ کی صداقت کی نشانیاں

سوال:۔ بعض عرب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والے امام مہدی کی بڑی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ہوگا، عرب سے ہوگا، اس کا نام محمد ، اس کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ کیا امام مہدی کی صداقت کی یہی بڑی نشانیاں ہیں ۔ اگر نہیں تو پھر اس کی صداقت کی اصل پہچان کیا ہے ؟

جواب : حضور نے فرمایا ، پہلے تو یہ

بات سمجھنے والی ہے کہ کون سے نشانوں کی بات کی جا رہی ہے۔ ان نشانوں کی جو نمایاں، واضح اور ہدایت دینے والے ہیں یا ان مزعومہ نشانوں کی جو کنفیوژ کرنے والے ہیں اور بجائے ہدایت دینے اور اندھیرے سے روشنی کی طرف لے جانے کے ظلمت میں بھٹکنے کے لئے چھوڑنے والے ہیں اور ایسی تاریکی میں گھسیٹنے والے ہیں جہاں جھوٹ اور سچ کی تمیز ناممکن ہو جاتی ہے۔ تو پھر ایسے نشانوں کا کیا فائدہ۔ یہ وہ جاہل علماء ہیں جو مسیح کو پہچاننے کے لئے ایسے نشان پیش کرتے ہیں جو قرونِ وسطیٰ میں لوگوں نے ہر قسم کی ثقہ وغیر ثقہ احادیث کو لے کر مشہور کئے اور اس زمانۂ تنزل سے آگے جاتے ہی نہیں اور اتنی تکلیف نہیں کرتے کہ ان نشانوں کی طرف رجوع کریں جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے۔ آج کے علماءِ دین کے علم کی پہنچ تو صرف اس حد تک ہے کہ فلاں ملّاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ۔ اور فلاں امام کا یہ قول ہے اور فلاں کا یہ۔ جو کچھ ان ملّاؤں اور اماموں نے بیان کیا بس وہی درست ہے۔ اور یوں وہ قرآن کریم اور احادیث رسولؐ کی واضح تعلیم کو ضائع کرنے والے ہو گئے۔ اور بجائے اس کے کہ قرآن کریم اور احادیث کے الفاظ کی گہرائی میں اتر کر حق کی روشنی تلاش کرتے انہوں نے محض الفاظ کے سطحی معانی پر بنا کی۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور عام اَن پڑھ لوگوں کے لئے بھی گمراہی کا سامان کیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کا نام محمد ہے، اس کی ماں کا نام آمنہ اور باپ کا عبداللہ ہے اور وہ حضرت محمد رسول اللہؐ کے خاندان سے ہے۔ ان تمام علامتوں کے ساتھ اگر وہ امام مہدی ہونے کا دعویٰ بھی کرے تب بھی کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر یہی امام مہدی کی صداقت کی نشانیاں ہیں تو پھر ان صفات والا ایک مہدی سوڈان میں پیدا ہوا تھا۔ پھر اس کا انہوں نے کیوں انکار کیا اور اس پر ایمان کیوں نہیں لائے۔

صرف یہی نہیں، اور بھی اسی طرح کے کئی اشخاص نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ان میں سے انڈیا کا ایک مولانا محمد جان پوری بھی تھا۔ اس میں یہ تمام علامتیں پائی جاتی تھیں۔ اگر واقعی یہ علامتیں لفظاً بلفظاً امام مہدی کی اصل علامتیں ہیں تو پھر تمام مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ قادیان کے امام مہدی کے معاملہ کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان مزعومہ امام مہدیوں پر ایمان لاتے۔ لیکن ان تمام نشانیوں کے باوجود ان کو تو انہوں نے قبول نہیں کیا تو پھر اب قادیان کے امام مہدی میں ان علامتوں کا تقاضا کیوں کر رہے ہیں۔

کچھ عرصہ قبل انہی صفات سے متصف ایک شخص نے اپنے مریدوں سمیت خانہ کعبہ میں جا کر اعلان مہدویت کیا اور مہدی کی ایک اور علامت کو کہ وہ خانہ کعبہ میں جا کر اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا حرف بحرف پورا کر دکھایا۔ لیکن جانتے ہو کہ فوجیوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اسے اس کے مریدوں سمیت گولیوں سے بھون ڈالا۔ جب کوئی مہدی ان نشانیوں کو پورا کرتا ہے جو اُن کی نظر میں مہدی کی اصل نشانیاں ہیں تو اسے تو وہ قتل کرتے ہیں تو پھر ہم سے ان علامتوں کا تقاضا کیوں کرتے ہیں۔

اگر یہ لوگ حدیثوں کے الفاظ پر جاتے ہیں اور ان کے لفظ بلفظ پورا ہونے کے منتظر ہیں تو پھر مسیح موعود اور امام مہدی کے بارہ میں ایک اور حدیث بھی ہے کہ ''یُدْفَنُ مَعِی فِی قَبْرِی''۔ یہ نہیں فرمایا کہ میری قبر کے ساتھ یا اس کے قریب اسے دفن کیا جائے گا بلکہ فرمایا:

''یُدْفَنُ مَعِی فِی قَبْرِی''۔ میری قبر میں دفن کیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ)

پاکستان میں ملّاں کئی بار میرے پاس آ کر سوال کرتے کہ آپ یہ بتائیں کہ حضرت مرزا صاحب کہاں فوت ہوئے؟ میں ان سے کہتا لاہور میں۔ پھر اگلا سوال یہ ہوتا کہ دفن کہاں ہوئے؟ تو میں جواب دیتا، قادیان میں۔ تو فوراً یہ حدیث نکال کر پیش کرتے کہ دیکھیں یہ حدیث۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ''یدفن معی فی قبری'' وہ میرے ساتھ میری ہی قبر میں دفن کیا جائے گا۔ تو میں ان سے کہتا ٹھیک ہے تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس وقت اس دنیا میں کوئی ایک بھی غیرتِ رسول رکھنے والا مسلمان ایسا ہے جو یہ برداشت کر سکے کہ کوئی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر کو کھودے اور کسی اور کو، خواہ کوئی بھی ہو اس قبر میں دفن کرے۔ وہ اپنی جان دے دے گا لیکن کسی کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اور یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے خیال کے مطابق کوئی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرے اور تم اسے سچا سمجھ کر مان لو تو کیا تم اس سے یہ وعدہ کرو گے کہ مرنے کے بعد ہم تمہیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر میں دفن کریں گے اور اگر تم وعدہ کر بھی لو اور مرنے کے بعد اسے آنحضورؐ کی قبر میں دفن نہ کرو تو گویا تم ساری زندگی ایک جھوٹے مدعی کو مانتے رہے۔

میں انہیں ہمیشہ یہ جواب دیا کرتا کہ بھئی تو کامن سینس (Common Sense) کی بات ہے۔ اس طرح کی باتیں محاورۃً کہی جاتی ہیں۔ میں تمہیں اس حدیث کا اصل مفہوم بتاتا ہوں جو گہرے مطالب اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور یہ مفہوم انسانی فطرت پر بڑی خوبصورتی سے چسپاں ہوتا ہے۔

جب ہم کسی کے ساتھ اپنی عادتوں، اپنی صفات اور خوبیوں کے لحاظ سے مشابہت تامہ کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو اسے یوں بھی بیان کرتے ہیں کہ گویا میرا باپ اس کا باپ اور میری ماں اس کی ماں ہے اور میرا نام اس کا نام ہے۔ گویا ہماری پیدائش اور ہمارے اس دنیا میں آنے کے تعلق کو کوئی الگ نہیں کر سکتا۔ گویا اس کی زندگی میری زندگی اور اس کی موت میری موت ہے۔ ہماری پیدائش ایک ہی مادہ سے ہے۔

اس طرح کا اظہار دیگر مختلف زبانوں میں بھی ہوتا ہے۔ جب کسی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ فلاں موت مرا۔ تو اس سے مراد یقیناً یہ ہوتی ہے کہ مرنے والے کو جس کسی کی موت کے ساتھ مشابہت دی جا رہی ہے ہو بہو اس جیسا اس کا بھی انجام ہوا۔ گویا کہ وہ اس کی قبر میں ہے۔ اردو میں

کہتے ہیں کہ کیا تم اس کی قبر میں دفن ہو گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کیا تمہارا بھی وہی انجام ہو گا جو فلاں کا ہوا۔

یہی وہ واحد و منفرد معنی ہیں جو اس حدیث کے کئے جا سکتے ہیں کہ آنے والا امام مہدیؑ اپنے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں ایسا رنگین ہو گا اور ایسا کامل نمونہ دکھائے گا کہ گویا اس کی زندگی اس کے آقا کی زندگی ہو گی اور اس کی وفات اس کے آقا کی وفات پر ہو گی۔ اور مراد مشابہت تامہ ہے۔ اور یہی اصل معنی ہیں ''يُدْفَنُ مَعِي فِي قَبْرِي'' کے۔

یہاں ایک اور اہم امر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ کوئی مہدی اس وقت تک سچا امام مہدی نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کی زندگی ہی میں عیسیٰ کا ظہور بھی نہ ہو۔ یہ ایک بہت اہم اور لطیف نکتہ ہے۔ یہ ایک بہت ہی اہم امر ہے جو ان غیر احمدیوں کو (جو امام مہدی کی صداقت کے نشان کی تلاش میں ہیں) سمجھانا بہت ضروری ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بڑے کھلے الفاظ میں فرمایا کہ مہدی پہلے آئے گا اور پھر عیسیٰ کا ظہور ہو گا اور دونوں ایک ہی وقت میں ظاہر ہونگے۔ اس لحاظ سے تمام وہ مہدی جو ماضی میں دعاوی کرتے رہے خواہ وہ سنی مہدی ہوں یا شیعہ مہدی ہوں اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ کیونکہ ان میں سے کسی بھی مہدی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیونکہ ان سب کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح آسمان پر زندہ موجود ہے اور وہ اسی جسم کے ساتھ آسمان سے نازل ہو گا۔

اب میں مہدی کی صداقت کے لئے ایک ایسا عظیم الشان آسمانی نشان پیش کرتا ہوں جو انسانی دسترس اور قدرت سے باہر ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لم تكونا منذ خلق السمٰوٰت والارض تنكسف القمر لاول ليلة من رمضان و تنكسف الشمس في النصف منه. (سنن دار قطني كتاب العيدين ۔ باب صفة صلوٰة الخسوف والكسوف)

یہ ایک ایسی عظیم الشان حدیث ہے جسے کوئی بھی ردّ نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں ایک ایسے الٰہی نشان کا ذکر ہے جو کسی بھی صورت انسانی طاقت میں نہیں۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اسے اپنی مرضی سے پورا کر سکے۔

تاریخ میں بہت سے مذعومہ مہدیوں کا ذکر ملتا ہے اور بلا استثناء ان میں سے ایک نے بھی مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو پھر وہ سچے مہدی کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور ان میں کسی ایک نے بھی ان دو آسمانی نشانوں کے ظہور کو اپنی صداقت کے لئے لازمی نہیں ٹھہرایا۔ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان دو بڑے نشانوں کو مہدی کی سچائی کی علامت اس لئے بنایا کہ تا کوئی بھی جھوٹا مہدی لوگوں کو دھوکہ نہ دے سکے۔ کیونکہ کسی جھوٹے کے بس کی بات نہیں کہ اس آسمانی نشان کو زبردستی اپنے لئے ظاہر کر سکے۔ اور پھر یہ کہ ایک جھوٹا انسان اپنے لئے ایسے آسمانی نشان کا تصور بھی کیونکر کر سکتا ہے۔

محولہ بالا حدیث میں نشان یہ بتایا گیا ہے کہ چاند کو اس کی گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات کو اور سورج کو اس کے گرہن کے دنوں میں درمیانی دن گرہن لگے گا اور یہ واقعہ رمضان کے مہینہ میں ہو گا۔ حضور نے فرمایا میں نے بہت سے پرانے علماء دین کے حوالے اکٹھے کئے ہیں جنہوں نے احمدیت سے قبل اس حدیث کے مفہوم کو صحیح سمجھا اور اسے بیان کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں چاند گرہن والی تین راتوں اور سورج گرہن والے تین دنوں کا ذکر فرمایا ہے۔ دین کا علم رکھنے والے یہ بزرگ علماء احمدیت سے کئی سو سال پہلے گزرے ہیں لیکن وہ صحیح سمجھ اور نیک فطرت رکھنے والے انسان تھے اس لئے وہ صداقت کے اس عظیم الشان نشان کو درست سمجھے۔

چاند کو گرہن صرف اس کی تین راتوں، تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کو ہی لگتا ہے۔ جبکہ سورج کو گرہن تین دنوں ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ میں سے کسی دن لگتا ہے۔ پرانے علماء اس سے یہی سمجھتے تھے کہ چاند گرہن کی پہلی رات اس کے گرہن کی تین راتوں میں سے پہلی رات ہے۔ اور سورج گرہن کا درمیانی دن اس کے گرہن کے تین دنوں میں سے درمیانہ دن ہے۔ اور عین اس کے مطابق واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

سن ۱۸۹۴ء میں جماعت احمدیہ کے قیام کے پانچ سال بعد جبکہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام مہدویت کا دعویٰ فرما چکے تھے۔ امام مہدی کی صداقت کے نشان کے طور پر یہ عظیم الشان آسمانی نشان ظاہر ہوا۔ ۱۸۹۴ء میں رمضان کی تیرھویں رات کو چاند گرہن ہوا اور اسی رمضان کے ۲۸ ویں دن سورج گرہن ہوا۔ کوئی جھوٹا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس قسم کا عظیم الشان آسمانی نشان اس کے لئے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی نے اپنے لئے اس نشان کا دعویٰ کیا۔

پاکستان کے مُلّاں لوگ جو عربی کی شُدبُد نہیں رکھتے، یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم نہیں مانتے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ رمضان کی پہلی رات کے چاند کو گرہن لگے گا۔ میں ان سے کہا کرتا تھا کہ کچھ خدا خوفی کیجئے۔ آنحضرت ﷺ افصح العرب تھے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ رمضان کی پہلی رات کا چاند جو کہ ہلال کہلاتا ہے کو گرہن لگے گا تو پھر آپ لفظ ہلال استعمال فرماتے۔ آپ نے قمر کیوں فرمایا۔ اگر اس حدیث سے رمضان کی پہلی رات کا چاند مراد ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کبھی بھی لفظ قمر نہ فرماتے بلکہ ہلال فرماتے۔

میں جانتا ہوں کہ قمر کا لفظ ہر قسم کے چاند کے متعلق بھی استعمال ہوتا ہے لیکن عرب جب ہلال کی بات کرتے ہیں تو پھر کبھی قمر کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔ رؤیت ہلال کمیٹی ہوتی ہے۔

اگر کوئی کہے رؤیت قمر کمیٹی تو لوگ اس کی اس بات پر ہنسیں گے کہ کتنا بے وقوف انسان ہے۔ اپنے پیارے مہدی کے لئے اس عظیم الشان نشان کے متعلق آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ یہ ھلال نہیں ہوگا۔ اس لئے آپ نے لفظ ھلال استعمال نہیں فرمایا۔ نشان تو کھلا کھلا اور روشن ہے۔ دنیا چاہے تو اسے قبول کرے یا جس طرح پہلے لوگوں نے انکار کیا بے شک انکار کر دے۔

مسئلہ ظہور امام مہدی

حاضرین مجلس میں سے کسی نے سوال کیا کہ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ "الامام المهدی" اور مسیح موعود ہیں؟

حضور انور نے فرمایا کہ عام دنیادار لوگوں میں سے اگر کوئی شخص اپنے متعلق اعلان کرتا ہے کہ میں فلاں ہوں تو ایسی صورت میں اس کے لئے کسی ثبوت یا نشان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود ہی ایک فیصلہ کرتا ہے اور پھر اس کا اعلان کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کسی کی تقرری خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو تو ایسی صورت میں ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ خدا تعالیٰ صاف اور واضح الفاظ میں اُس پر منکشف کرتا ہے کہ تم اب یہ ہو۔ میں تمہیں یہ ذمہ داری سونپتا ہوں۔ اور میں تمہیں اس کام کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ اس میں اس انسان کے کسی ذاتی ارادہ یا نیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کے دل میں محض یہ گمان گزرے کہ شاید میں کچھ ہوں تو یہ احساس اس کے پاگل پن یا کسی نفسیاتی بیماری کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی واقعی خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہو تو اس کی تصدیق کھلے کھلے الفاظ اور نشانوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی اور بالکل ایسا ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوا۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت کے علماء کی طرح حضرت مسیح موعودؑ کا بھی ذاتی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ جسد عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور دوبارہ مبعوث ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اور یہ بات یوں ہی آپ کے ذہن میں تھی جو کسی تحقیق پر مبنی نہ تھی۔ اور آپ اس عقیدہ پر رہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ وہ عیسیٰؑ فوت ہو چکا ہے اور اب میں تمہیں اس کے نام اور اس کی صفات کے ساتھ مبعوث کرتا ہوں۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے اس انکشاف اور عظیم ذمہ داری کے سونپے جانے پر آپ کے جسم اور محسوسات پر ایک لرزہ اور کپکپی طاری ہو گئی اور اس خیال سے بھی کہ آپ اس سے پہلے ایک ایسے عقیدہ پر قائم رہے جس کی تائید قرآن کریم سے نہیں ہوتی۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس عظیم خبر کے ملنے کے بعد جب آپ نے اس امر میں قرآن کریم سے راہنمائی حاصل کی تو آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کیسے خدا تعالیٰ کی یہ واضح تعلیم آپ کی نظر سے اوجھل رہی۔

جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک لرزہ طاری نہ ہو نئی روشنی اور نئے معارف انسان پر نہیں کھلتے۔ اور کسی نئے رخ سے خدا کی تعلیم پر نظر کرنے اور حکمت کے حصول کی توفیق میسر نہیں آتی۔ اور جیسے ہی خدا تعالیٰ کی طرف سے سوچ اور غور و فکر کی سمت تبدیل کی جاتی ہے تو پھر ہر چیز صاف اور شفاف ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اور بعینہ یہی سلوک دعویٰ مسیحیت میں آپ کے ساتھ ہوا۔ آپ کا پہلا دعویٰ امام مہدی ہونے کا تھا اور جس وقت آپ نے جماعت احمدیہ کا قیام فرمایا اور ۲۳/ مارچ ۱۸۸۹ء کو پہلی بیعت لی تو اس وقت بھی آپ کا دعویٰ صرف امام مہدی ہونے کا تھا۔ اور اسی حیثیت سے آپ نے بیعت لی تھی۔ مہدی کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ آپ سے پہلے بھی کئی لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ لیکن مہدی کے متعلق کہیں بھی یہ خبر نہیں دی گئی تھی کہ وہ آسمان سے اترے گا۔ تو اسی طریق پر جب

خدا تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ آپ اس زمانہ کے امام مہدی ہیں تو آپ نے مہدویت کا اعلان فرمایا اور جماعت قائم کی۔

جب خدا تعالیٰ کے اذن سے آپ نے ۱۸۸۹ء میں امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس زمانے کے علماء نے آپ کی شدید مخالفت کی کہ تم جھوٹے ہو، ہم تمہیں نہیں مانیں گے۔ باوجود شدید مخالفت کے آپ نہ صرف دعویٰ مہدویت پر قائم رہے بلکہ ۱۸۹۱ء میں آپ نے خدا تعالیٰ سے الہام پا کر اعلان فرمایا کہ خدا نے مجھے نہ صرف امام مہدی بلکہ مسیح موعود بھی بنایا ہے۔ آپ کا یہ دعویٰ ایک ایٹم بم تھا جو ساری امت مسلمہ میں ایک قیامت برپا کر گیا۔ مخالفتوں کے پہاڑ کھڑے ہو گئے کہ یہ شخص پاگل اور دیوانہ ہو گیا ہے۔ کہ پہلے اس نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اب یہ کہتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ جبکہ عیسیٰؑ زندہ آسمان پر موجود ہیں اور انہوں نے اسی پرانے جسم کے ساتھ آسمان سے نازل ہونا ہے۔

آپ نے لوگوں سے امام مہدی ہونے کی حیثیت سے بیعت لی تھی اور پھر کچھ عرصہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ تم ہی وہ موعود مسیح ہو جس کے آنے کی خبر میں دے چکا ہوں تو وہ لمحہ آپ کی زندگی کا مشکل ترین وقت تھا۔ اس لئے کہ آپ کا ایمان تھا کہ حضرت عیسیٰؑ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے لیکن آپ امت محمدیہ کے ایک عام عاجز انسان۔ آپ سوچنے لگے کہ ایک عام امتی وہ عظیم موعود مسیح کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنی کشمکش تھی جس نے آپ کو انتہائی پریشانی میں گھیرے رکھا۔ اور اس وجہ سے آپ شدید سر درد کی تکلیف میں بھی مبتلا رہے۔ اور ایک عرصہ تک اس سے یہی تاویل کرتے رہے کہ مسیح کہلانے سے صرف یہی مراد ہے جیسے کوئی شخص لوگوں کا علاج کرتا ہے اور اس سے مریضوں کو معجزانہ شفا ہو جاتی ہے تو لوگ اسے مسیحا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ بس میں بھی اسی قسم کا مسیح ہوں۔ یہ تو محض ایک ٹائٹل ہے۔ ورنہ وہ نبی مسیح جس کا

آسمان سے اترنا لکھا ہے میں کیسے ہو سکتا ہوں۔ پھر اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے بارش کی طرح وحی کا نزول شروع ہوا جس سے صرفِ نظر اور اس کا انکار کسی کے بس میں نہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے صاف اور روشن الفاظ میں آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ تو ہی وہ مسیح موعود ہے جس کے نزول کی پیش خبریاں دی گئی تھیں۔ پس اٹھو اور آگے بڑھو، دنیا کی کسی مخالفت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔

یوں آپ نے ۱۸۹۱ء میں اعلان فرمایا کہ میں نہ صرف امام مہدی ہوں بلکہ خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ میں مسیح موعود بھی ہوں۔ اس دعویٰ کے اعلان کے ساتھ ہی تمام علماء اسلام کے ساتھ آپ کا تعلق منقطع ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں ۔ خدا میرے ساتھ ہے اور جب کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں تو پھر مجھے کسی کی دشمنی اور مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں۔

جہاں تک آپ کے دعویٰ مسیحیت کا تعلق تھا علماء وقت نے اس بارہ میں آپ سے کسی دلیل، ثبوت، نشان یا بحث کی کوئی ضرورت اس لئے بھی نہ سمجھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ مسیح زندہ آسمان پر موجود ہے اور اس نے اسی جسم کے ساتھ آسمان سے نازل ہونا ہے اور یہ شخص تو اس دنیا میں پیدا ہوا اور پلا بڑھا ہے اس لئے دعویٰ مسیحیت میں تو یہ بہر حال جھوٹا ہے۔ اس لئے اس موضوع پر تو اس سے بات ہی نہیں کرنی البتہ "الامام المہدی" کا دعویٰ کرنے کی بنا پر مسلسل آپ سے آسمانی نشان کے ظہور کا مطالبہ ہوتا رہا کہ اس امام مہدی کے زمانہ میں سورج اور چاند کو رمضان کے مہینہ میں مخصوص تاریخوں میں گرہن لگنے کی پیشگوئی موجود ہے۔ وہ مخالف علماء بھی جانتے تھے کہ امام مہدی کی صداقت کا یہ ایک ایسا نشان ہے جو کسی بھی انسان کی طاقت اور قدرت اور ہاتھ میں نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اسے پیش کر سکے۔

آپ مسلسل دعاؤں میں لگے رہے یہاں تک کہ ۱۸۹۴ء میں پیشگوئی کے عین مطابق رمضان کے مہینہ میں گرہن کی تین راتوں میں سے پہلی رات کو چاند گرہن ہوا۔ احمدیوں کو جب معلوم ہوا کہ امام مہدی کی صداقت کے نشان کے طور پر چاند گرہن لگا ہے تو وہ کثرت سے ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے بڑی تیزی کے ساتھ قادیان جمع ہونے شروع ہوئے کہ امام مہدی کی صداقت کے دوسرے بڑے نشان سورج گرہن کا قادیان میں جا کر نظارہ کریں کیونکہ سورج گرہن بھی اسی ماہ میں گرہن کے تین دنوں میں سے درمیانے دن لگنے کی پیشگوئی تھی۔

لوگ چھتوں اور میناروں پر چڑھ کھڑے ہوئے کہ اس عظیم خدائی نشان کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ سکیں۔ نو بجے ایک شخص بھاگتا ہوا آیا کہ سورج گرہن ہو گیا، سورج گرہن ہو گیا۔ لیکن اس وقت بہت تھوڑا گرہن تھا۔ یہ ہو کیسے سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنے مسیح کے لئے اس عظیم نشان کو دھندلا رہنے دیتا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے آدھے گھنٹے کے اندر مکمل سورج گرہن ہو گیا اور یوں خدا تعالیٰ نے اس مہدی کی صداقت کے لئے جسے آنحضرت ﷺ نے "ہمارا مہدی" کہہ کر یاد فرمایا تھا یہ دو عظیم الشان تائیدی نشان ظاہر فرمائے۔ **تو جب کوئی شخص خدا تعالیٰ سے خبر پا کر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کی صداقت کے لئے ایسے نشان ظاہر فرماتا ہے جو انسانی تدبیر اور طاقت اور توفیق سے باہر ہوتے ہیں۔**

یہ دونوں آسمانی نشان جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے آپ کے دعویٰ مسیحیت کی سچائی میں نہیں تھے بلکہ امام مہدی کے ثبوت میں ظاہر ہوئے تھے۔ ان آسمانی نشانوں کے ظہور کے بعد مخالف علماء ایک لمبے عرصہ تک آپ کے ساتھ صرف دعویٰ مسیحیت پر بحث کرتے رہے کیونکہ ان دو نشانوں کے ظہور نے مخالفین کو بحث کے میدان میں لاجواب کر کے رکھ دیا تھا۔ اس لئے جب بھی بحث شروع کرتے، دعویٰ مہدویت کو By Pass کر کے سیدھے دعویٰ مسیحیت پر آ جاتے۔ کیونکہ امام مہدی کے حق میں اتنے بڑے آسمانی نشانوں کو دیکھنے کے بعد اب ان کو مجال نہیں تھی کہ آپ کے دعویٰ مہدویت کو چیلنج کر سکتے۔ وہ علماء قرآن کریم کی چند آیات کے ترجمہ کو توڑ مروڑ کر اس میں سے حیاتِ مسیح کا عقیدہ پیش کرتے تھے۔ لیکن نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت نے اس معاملہ میں ان کا ساتھ دیا اور نہ ہی کسی حدیث رسولؐ کی انہیں پشت پناہی حاصل ہو سکی۔ کیونکہ کسی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے نہیں فرمایا کہ حضرت مسیحؑ کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور ان کی جگہ حضرت عیسیٰؑ سے مشابہت رکھنے والے کسی یہودی کو صلیب پر لٹکا دیا گیا تھا۔ نہ جانے ان علماء نے کس بنیاد پر اور کہاں سے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ حضرت مسیح کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور اب وہی مسیح اسی پرانے جسم کے ساتھ دوبارہ امتِ محمدیہ کی راہنمائی کے لئے آئیں گے۔

مخالفین احمدیت اپنے اسی عقیدہ کو سامنے رکھ کر حضرت مسیح موعودؑ سے بحث کرتے کہ تم وہ مسیح کیسے ہو سکتے ہو جس نے آسمان سے نازل ہونا تھا۔ تم اس دنیا میں پیدا ہوئے، تم یہاں ہو، عیسیٰ آسمان پر ہیں۔ پھر تم کیسے وہ موعود مسیح ہو سکتے ہو۔

حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کریم کی تیس (۳۰) آیات سے اور اسی طرح عہدنامہ جدید کی بے شمار آیات اور تاریخی شواہد سے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی تو آپ کے ہم عصر مخالف علماء آہستہ آہستہ ان دلائل کے سامنے خاموشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اور پھر ان کے بعد آنے والی نسل نے تو اس معاملہ کو گویا بالکل ہی نظر انداز کر دیا کہ یہ کوئی اہم مسئلہ ہے ہی نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کے علماء نے امام مہدی کے موضوع سے سلسلہ بحث شروع کیا اور مسیح پر ختم کیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ ان دونوں موضوعات پر ان میں سے کوئی بھی ہم سے بات کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ گویا ان مسئلوں کی کوئی اہمیت نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ لاجواب ہو چکے ہیں اور انہیں یقین ہو گیا ہے کہ قرآن و حدیث ہمارے ساتھ ہیں۔ ان کی بحث کی تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ یہ سب فضول بحثیں ہیں نہ کسی مہدی نے آنا ہے اور نہ ہی کسی مسیح نے۔ لیکن وہ مسلم سکالرز جن میں ابھی بھی اسلام کی سچائی کی غیرت اور حمیت موجود ہے حق بات کرنے سے نہیں

رکھتے۔ جامعہ ازھر کے ڈائریکٹر امام محمود شلتوت نے اس بات کی تائید کر دی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں۔ صرف وہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سے مسلم علماء نے قرآن کریم کی رو سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کی ہے لیکن جب ان سے نئے مسیح کے آنے کی بات کی جاتی ہے تو یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے اور اب کسی مسیح نے نہیں آنا۔

اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے پاک اور برگزیدہ بندے کو اس کے مسیح موعود ہونے کی خبر دی اور اس کے دعویٰ کے حق میں دلائل کا سمندر عطا کیا۔ یہ کسی عام انسان کے وہم کی بات نہیں کہ وہ ایک ظنی عقیدہ رکھے کہ میں کچھ ہوں۔ ایسی صورت میں وہ اپنی تائید میں ایسے روشن دلائل کہاں سے لائے گا اور ایسے عظیم الشان آسمانی نشان کو اپنی تائید میں کیسے کھینچے گا۔

مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ

حیات مسیح کے عقیدہ کے حق میں ایک واحد اور اکلوتی دلیل جو ہمارے مخالفین قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا۔(سورۃ النساء :۱۵۸)

حالانکہ قرآن کریم کی یہ آیت بھی ان کے مسلک کی تائید نہیں کرتی۔ کیونکہ اس آیت کے آخر میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر مارنے میں ناکام رہے۔ انہیں صلیب پر لٹکایا گیا تھا اس سے انکار نہیں اور صلیب دینے کا مقصد یہ تھا کہ انہیں صلیب پر مار دیتے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا فرمائے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر مارنے میں ناکام و نامراد رہے اور انہیں صلیب سے زندہ اتار لیا گیا۔ لیکن پھر وہ کہاں غائب ہو گئے ؟ یہاں سے شک کی ابتداء ہوتی ہے اور بعد میں پیدا ہونے والے تمام شکوک و شبہات کا تعلق بھی اسی وقت سے ہے کہ صلیب سے اتار لئے جانے کے بعد آپ کے ساتھ کیا ہوا؟

بعض کہتے ہیں کہ آپ فوت ہو گئے تھے لیکن مرنے کے بعد پھر زندہ ہو گئے تھے۔ لیکن یہودی کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے فوت ہو گئے۔ لیکن اپنے اپنے ان نظریات وخیالات کے حق میں کسی کے پاس کوئی دلیل یا ثبوت نہیں۔ کیونکہ صلیب سے اتارے جانے کے بعد آپ کے جسم کو کسی نے نہیں دیکھا۔ کسی کی باڈی (Body) ملے تو پھر اس کے متعلق یقین سے کچھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ اور لاش کے بغیر قتل کا کیس بھی داخل دفتر نہیں کیا جاتا۔

یہ ہے قرآن کریم کی خوبی ۔ فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دینے کے بعد وہ آپس میں جھگڑنے لگے ۔ کوئی کچھ کہتا تو کوئی کچھ۔ اور اہل کتاب بھی اس معاملہ میں دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ. (سورۃ النساء :۱۵۸)

اس واقعہ کے بارہ میں قرآن کریم کا سارا بیان ان کے شک اور ظن کا ثبوت مہیا کر رہا ہے اور آخری نتیجہ یہ نکالا "وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا" جو کچھ بھی انہوں نے کیا اور جو بھی واقعہ رونما ہوا لیکن یہ قطعی امر ہے کہ وہ انہیں قتل کرنے میں ناکام رہے۔

مخالف علماء کہتے ہیں دیکھو یہ دلیل ہے حضرت عیسیٰؑ کے زندہ بچائے جانے کی اور پھر اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے جانے کی کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے :

بل رفعه الله اليه . وكان الله عزيزاً حكيماً۔

(سورۃ النساء :۱۵۹)

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب سے زندہ بچا لیا تو پھر آپ کا جسم کہاں گیا؟ ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

ہم اُن سے کہتے ہیں کہ خدا خوفی کریں۔ قرآن کریم کا غلط ترجمہ تو نہ کریں۔ اس آیت کو دوبارہ احتیاط سے پڑھیں۔ خدا تعالیٰ اس میں دو باتیں بیان فرما رہا ہے ۔ پہلی یہ کہ وہ انہیں مارنے میں ناکام رہے اور دوسری یہ کہ "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" خدا تعالیٰ نے اسے اپنے قریب کر لیا۔ خدا تعالیٰ نے کہیں بھی لفظ آسمان یا کسی ماڈی بلندی یا فضا کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ قرآن کریم تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اسے اپنے قریب لے آئے اور تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وجود کو کیسے اپنے قریب کرتا ہے ؟ خدا کہاں ہے ؟ یہاں ہے یا کسی اور جگہ ہے ؟ خدا تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے "اَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"۔(البقرہ :۱۱۶) اور "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔(النور :۳۶)۔ زمین و آسمان میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں خدا نہیں۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اس کتاب کو اٹھا کر اپنے قریب کیا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ چیز بھی مادی ہے اور میرا جسم بھی مادی ہے اور میرا بھی ایک جسم اور وجود ہے اور اس چیز اور میرے درمیان ایک جسمانی فاصلہ ہے۔ اور یہ ساری حرکت ایک جسمانی اور مادی حرکت ہے۔ لیکن ایک چیز جو پہلے سے ہی میرے پاس موجود ہے اور میں بھی اس کے پاس ہوں تو پھر اس چیز کو قریب کرنے کے لئے کسی جسمانی حرکت کی ضرورت نہیں۔ ہاں صرف روحانی حرکت ہو گی۔ اور قرآن کریم بھی بعینہ یہی بات بیان کر رہا ہے۔ ایک موقع پر بلعم باعور کے ذکر میں فرماتا ہے :

"وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ"(سورۃ الاعراف :۱۷۷)

کہ اگر ہم چاہتے تو اس بدقسمت انسان کو ان نشانوں کے ذریعہ سے اپنی طرف اٹھا لیتے۔ بالکل وہی طرز کلام جو حضرت عیسیٰؑ کے لئے استعمال فرمایا اس آیت میں اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں ؟ کیا یہ کہ خدا اسے اوپر آسمان کی طرف اٹھانا چاہتا تھا۔ لیکن بلعم باعور نے کہا کہ میں تو زمین کی طرف جاؤں گا۔ کیا تم ایسا سوچ سکتے ہو ؟ کتنا صاف اور روشن کلام ہے۔ فرمایا ہم تو اسے اپنے قریب کرنا چاہتے تھے۔ اس میں ایسی خوبیاں اور صفات تھیں کہ وہ ہمیں پیارا ہوتا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی جسمانی رفع مراد نہیں بلکہ روحانی ترقی اور قرب کا بیان ہے۔ یہ ہے رفع کا مطلب۔ آسمان کے ذکر کا تو نام و نشان تک نہیں۔

میرا خیال ہے تسلی کے لئے اتنا جواب کافی ہے۔

سلسلہ احمدیہ کی ترقی اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی ناکامی کا اعتراف

لائل پور میں مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف مدیر المنبر (سابق المنیر) سلسلہ احمدیہ کے شدید معاند ہیں۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء میں کھلے بندوں اعتراف کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارے بعض واجب الاحترام بزرگوں نے اپنی تمامتر صلاحیتوں سے قادیانیت کا مقابلہ کیا لیکن یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ قادیانی جماعت پہلے سے زیادہ مستحکم اور وسیع ہوتی گئی۔ مرزا صاحب کے بالمقابل جن لوگوں نے کام کیا، ان میں سے اکثر تقویٰ، تعلق باللہ۔ دیانت۔ خلوص۔ علم اور اثر کے اعتبار سے پہاڑوں جیسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ سیّد نذیر حسین صاحب دہلوی۔ مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی۔ مولانا قاضی سید سلیمان منصور پوری۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولانا عبدالجبار غزنوی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ وغفر لھم کے بارے میں ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ بزرگ قادیانیت کی مخالفت میں مخلص تھے اور ان کا اثر و رسوخ بھی اتنا زیادہ تھا کہ مسلمانوں میں بہت کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جو ان کے ہم پایہ ہوں۔ اگرچہ یہ الفاظ سننے اور پڑھنے والوں کیلئے تکلیف دہ ہونگے اور قادیانی اخبار اور رسائل چند دن انہیں اپنی تائید میں پیش کر کے خوش ہوتے رہیں گے لیکن ہم اسکے باوجود اس تلخ نوائی پر مجبور ہیں کہ ان اکابر کی تمام کاوشوں کے باوجود قادیانی جماعت میں اضافہ ہوا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں قادیانی بڑھتے رہے۔ تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں انکا یہ حال ہے کہ ایک طرف تو روس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۱۹۵۶ و ۵۷ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو۔" (المنیر لائل پور ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء)

دعائے استخارہ۔ راست بازوں کا ایک طریق

(میاں عبدالقیوم)

دنیا میں کسی فرد بشر کو یہ یقینی علم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے اور اس کے جلو میں اس کے لئے کیا کچھ آئے گا۔ پھر انسان کو یہ بھی یقینی علم نہیں کہ آئندہ کس قسم کی سروس یا تجارت یا کاروبار اس کے لئے خدا کے فضلوں کا موجب ہوگا۔ شادی میں کونسا رشتہ اس کے لئے موزوں ہوگا۔ رہائش کے لئے کونسی جگہ سکون کا باعث ہوگی۔ اس کے لئے اور اس کے عزیزوں کے لئے کس قسم کی تعلیم بہتر ہے۔ الغرض اس قسم کے سینکڑوں مسائل ہیں جو ہر انسان کی زندگی میں اس کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اور بوجہ یقینی علم نہ ہونے کے وہ ان میں صحیح فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ نسل انسانی کی اکثریت جو لاکھوں پریشانیوں، حسرتوں اور نامرادیوں سے دوچار ہے اور جن کی وجہ سے ان کی زندگی جہنم بن رہی ہے۔ ان کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے فیصلے اکثر غلط ہو جاتے ہیں اور غلط فیصلوں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کو علم غیب حاصل نہیں۔ اس کو تو یہ بھی علم نہیں کہ اس وقت اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ ان حالات میں انسان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس ہستی سے دریافت کر لے جو عالم الغیب ہے۔ اور ہر قسم کے فضلوں اور رحمتوں کا سرچشمہ بھی ہے۔ اس مقصد کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین کو دعائے استخارہ سکھلائی تا ہر انسان خود براہ راست اس عالم الغیب اور سرچشمہ رحمت وقدرت سے ہر اہم مسئلہ پر ہدایت اور راہنمائی حاصل کر سکے۔ یہ دعا یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ اَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلاَ اَعْلَمُ وَاَنتَ عَلاَّمُ الْغُيوبِ. اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الاَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِيْنِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ اَمْرِي فَاقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْه لِي، ثُمَّ بَارِك لِي فِيه. وَاِنْ كُنتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الاَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِيْنِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ اَمْرِي فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، واقْدِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِي بِهِ.

اس کا آزاد ترجمہ یہ ہے:۔

اے میرے اللہ میں تیرے علم بے پایاں کے ذریعہ تجھ سے خیر کی درخواست کرتا ہوں اور تیری قدرت سے طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوالی بن کر آتا ہوں کیونکہ تو ہی قدرت اور طاقت کا سرچشمہ ہے۔ جب کہ میں کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ اور تو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا۔ اور تو غیب سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اے میرے اللہ اگر تیرے نزدیک یہ امر جو میرے ذہن میں ہے میرے دین، میری معاش اور کام کے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اس صورت میں تو اسے میرے لئے مقدر کر دے۔ اس کا حصول میرے لئے آسان کر دے پھر اس میں میرے لئے برکتیں رکھ دے۔ اور اے میرے خدا اگر تیرے نزدیک یہ امر میرے دین، معاش اور انجام کے لحاظ سے برا ہے تو اس کو مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور لے جا اور اس کے بدلہ میں میرے لئے کوئی اور چیز جہاں بھی ہو مقدر کر دے اور مجھے اس پر راضی بھی کر دے۔ آمین۔

مندرجہ بالا دعا انسانی فطرت اور اس کی جبلی کمزوری کے عین مطابق ہے اور پھر ایسی جامع ہے کہ اس سے زیادہ مکمل دعا انسانی ذہن تصور نہیں کر سکتا۔ یہ موقعہ نہیں کہ اس پر اس رنگ میں مزید تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔ صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر یہ دعا حاوی نہ ہو۔

یہ دعا ہر وقت کی جا سکتی ہے تاہم عام طور پر یہ دعا سونے سے پہلے کی جاتی ہے۔ انسان تمام کاموں سے فارغ ہو کر یکسوئی سے دو نفل ادا کرے اور اس میں یہ دعا مانگے۔ دعا کرنے کے بعد بغیر مزید کلام کئے دائیں کروٹ سو جائے۔ صلحاء امت کا تجربہ ہے کہ اس دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اپنے الہام، کشف اور رؤیا خواب کے ذریعہ راہنمائی فرما دیتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انسانی قلب کو ایک خاص فیصلہ کرنے کا انشراح عطا فرما دیتا ہے۔ یہ دعا برابر جاری رہنی چاہئے جب تک کسی امر کے لئے شرح صدر نہ ہو جائے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ دعائے استخارہ پر باقاعدگی سے عمل کیا جائے اور انسان یہ اصول مقرر کر لے کہ اس نے بہرصورت ہر اہم مسئلہ میں خدائے علام الغیوب سے راہنمائی حاصل کرنی ہے۔ اور اس راہنمائی پر عمل بھی کرتا رہے تو تمام اہم مسائل بدرجہ احسن انجام پا جاتے ہیں۔ اس وقت کتنی ہی شادیاں ہیں جو ناکام ہو رہی ہیں اور اپنے ساتھ کتنے خاندانوں کو جلتی ہوئی آگ میں دھکیل رہی ہیں۔ کتنی تجارتیں ہیں جو خسارہ میں جا رہی ہیں اور کتنی ملازمتیں ہیں جن میں انسان متواتر دکھ اٹھا رہا ہے۔ المختصر وہ تمام امور جن میں لاعلمی کی وجہ سے غلط راہ اختیار کر لی جاتی ہے اور جن سے پھر لاتناہی مسائل جنم لے رہے ہیں اور معاشرے میں ناسور بن رہے ہیں۔ ان تمام امور میں کامیابی حاصل کرنے کی بہترین راہ یہی ہے جو ہمارے ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی اور جس کی آنحضورؐ نے اپنی امت کو بار بار تاکید فرمائی۔

اس ضمن میں دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ ارادے اور فیصلے پہلے سے پختہ کر لئے جاتے ہیں اور دعا بعد میں کی جاتی ہے۔ تا اللہ تعالیٰ ان عزائم کو قبول فرما کر قبولیت اور برکت رکھ دے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔ لیکن یہ طریق عموماً ان امور سے متعلق ہونا چاہئے جن پر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے راہیں متعین فرما دیں اور اصولی ہدایت اور

تعلیم پہلے سے دے رکھی ہے۔ لیکن ایسی باتوں میں بھی بہت ممکن ہے کہ تفاصیل میں غلطی ہو جائے۔ انسانی فطرتی کمزوری اور آجکل کے عمیق در عمیق مسائل کو پیش نظر رکھ کر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو کشتی نوح میں ایک خاص نصیحت فرمائی ہے، جو سننے، یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے:-

"چاہئے کہ تمہارے ہر ایک کام میں خواہ دنیا کا ہو خواہ دین کا۔ خدا سے طاقت اور توفیق مانگنے کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن نہ صرف خشک ہونٹوں سے بلکہ چاہئے کہ تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہو کہ ہر ایک برکت آسمان سے ہی اترتی ہے تم راستباز اس وقت بنو گے جب کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ ہر ایک کام کے وقت ہر ایک مشکل کے وقت قبل اس کے تم کوئی تدبیر کرو۔ اپنا دروازہ بند کرو اور خدا کے آستانہ پر گرو کہ ہمیں یہ مشکل پیش ہے اپنے فضل سے مشکل کشائی فرما۔ تب روح القدس تمہاری مدد کرے گی اور غیب سے کوئی راہ تمہارے لئے کھولی جائیگی"۔

مندرجہ بالا ارشاد میں حضور نے جس بات پر خصوصی توجہ دی ہے وہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ پر سوچنے اور تدبیر کرنے سے پہلے دعا ضروری ہے۔ یہاں حضور نے اس شخص کو "راست باز" کے لقب سے نوازا ہے جو کسی کام کے وقت یا کسی مشکل آ جانے پر سوچ و بچار نہیں کرتا۔ تدبیر نہیں سوچتا۔ کسی سے مشورہ نہیں کرتا۔ کوئی ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا۔ الغرض کسی قسم کی کوئی کوشش نہیں کرتا بلکہ پہلے خدا سے دعا کرتا اور اس کے فضل سے مشکل کشائی چاہتا ہے۔ تب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ایسے شخص کی روح القدس مدد کرتی ہے اور غیب سے اس کے لئے کوئی راہ کھولی جاتی ہے۔ پھر خدا کے دوسرے قانون کے مطابق وہ اس راہ میں پوری کوشش بھی کرتا اور انجام کار کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کسی امتحان میں کامیابی کے بعد روزگار کی تلاش کا مسئلہ درپیش ہے۔ عام صورت یہ ہے کہ حاصل کردہ تعلیم کے مطابق انسان متعلقہ دفاتر وغیرہ سے معلومات حاصل کر کے ایسی جگہ کا انتخاب کرے جو اسے پسند ہو۔ اور آخری انتخاب اور فیصلہ سے پہلے دعائے استخارہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی حاصل کر کے درخواست دے دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مشکل مسائل ایسے الجھے ہوئے ہوں یا اچانک کوئی مشکل آن پڑے یا مصیبت گھیر لے۔ ایسی صورتوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق انسان کا کام یہ ہے کہ وہ کوئی سوچ بچار نہ کرے، کوئی معلومات حاصل نہ کرے، کوئی درخواست نہ دے۔ وغیرہ صرف دروازہ بند کر کے سارا معاملہ خدا کے حضور پیش کر کے اس سے راہنمائی کی درخواست کرے۔ حضور فرماتے ہیں۔ ایسی صورت میں روح القدس اس کی مدد کرے گی اور غیب سے اس کے لئے راہ کھولی جائے گی۔ اس دعا کے بعد جو بات یا تدبیر دل میں ڈالی جائے اس میں خدا کے نور کی روشنی ہوگی اور انسان ابتداء سے ہی اس راہ پر گامزن ہوگا جو خدا کو بھی پسند ہے اور جس میں کامیابی بھی مقدر ہے۔ اس خاص تائید الٰہی کے رازوں میں سے ایک راز یہ ہے کہ جب انسان اپنی ہر اک طاقت، علم، تجربہ، ہنر اور پوری ذات کو معدوم یقین کر کے صرف خدا کو ہی حقیقی رب اور کارساز جانتا ہے تب اس کی اس فنا کی حالت کے بعد خدا کی مربیانہ اور قادرانہ تجلی خاص طور پر جوش میں آتی ہے اور انسان کو ابتداء ہی سے کامیابی و کامرانی کے راستہ پر ڈال دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقررہ کردہ ظاہری اسباب کا استعمال ہر صورت میں ضروری ہے۔ کیونکہ وہ طریق ادب ہے لیکن وہ ظاہری کوشش جو ہر کام کے ابتداء میں دعا کے بعد کی جائے اس میں روح القدس کی تائید کا وعدہ ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جتنا جتنا انسان اپنے آپ کو فنا کرتا جاتا ہے اتنا ہی وہ خدا کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اس کی اپنی ظاہری کوششیں اور سعی کم ہوتی جاتی ہے اور خدا کی مدد زیادہ ہوتی جاتی ہے اور جتنا انسان اپنی ذات پر بھروسہ کرتا ہے اتنا ہی وہ خدا سے دور ہوتا جاتا ہے اس کی اپنی ظاہری کوششیں اور سعی زیادہ اور خدا کی مدد کم ہوتی جاتی ہے۔

جو بات سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہر کام کے شروع میں دعا کرنے والے شخص کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام "راست باز" کے پاک خطاب سے نوازتے ہیں۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودہ ارشاد جو کشتی نوح میں ہے کے مطابق ہم اپنی زندگی کے تمام فیصلے کرنا شروع کر دیتے ہیں تو خدا کے فضل سے ہم راست بازوں میں شامل کر دئے جاتے ہیں۔ یا کم از کم اس راہ پر ضرور گامزن کر دئے جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم انجام کار صدیقوں کے مراتب پر فائز کر دئے جاتے ہیں۔ یہ کتنی آسان راہ ہے اور پھر کتنی دلکش راہ ہے۔ اعلیٰ روحانی مراتب کے حصول کے لئے دیگر مذاہب اور فرقوں کے لوگ پتہ نہیں کن کن مشکل مجاہدات اور قربانیوں کے دور میں سے گزرتے ہیں۔ پر خدا کا ہم پر کتنا فضل ہے کہ ایسی آسان اور دلکش راہ سے ہم اس عالی مقام پر بلند کر دئے جاتے ہیں۔ یہ سب فضل دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ہے جو اس وقت آنحضور کے ظل کامل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ پھر ایک چشمہ ذخار کی طرح جاری و ساری ہے۔ کاش دنیا کی آنکھیں کھلیں اور وہ دیکھیں کہ زندہ اور زندگی بخش رسول صرف صحرائے عرب سے ظاہر ہونے والے ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی زندگی کا ثبوت یہ ہے کہ ہم آج بھی آپ کی مقدس تعلیمات پر عمل کرنے کے نتیجہ میں روح القدس سے مدد دئے جاتے ہیں اور خدا کے مقربین میں شامل کر دئے جاتے ہیں۔

اللھم صل علیٰ محمد و بارک وسلم انک حمید مجید

بقیہ صفحہ ۳۳

یعنی خدا نے ان مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے گئے اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے فریاد سن لی۔ لور ان کو مقابلے کی اجازت دی گئی۔ لور خدا قادر ہے جو مظلوم کی مدد کرے۔ (الجز و نمبر۱۷ سورۃ الحج)۔ مگر یہ حکم مختص الزمان والوقت تھا۔ ہمیشہ کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اس زمانہ کے متعلق تھا جبکہ اسلام میں داخل ہونے والے بکریوں لور بھیڑوں کی طرح ذبح کئے جاتے تھے۔ لیکن افسوس کہ نبوت لور خلافت کے زمانہ کے بعد اس مسئلہ جہاد کے سمجھنے میں جس کی اصل جڑ آیت کریمہ مذکورہ بالا ہے لوگوں نے بڑی غلطیاں کھائیں۔ لور ناحق مخلوق خدا کو تلوار کے ساتھ ذبح کرنا دینداری کا شعار سمجھا گیا"۔

(گورنمنٹ انگریزی لور جہاد۔ اشاعت ۲۲ مئی سنہ ۱۹۰۰ء)

(دوست محمد شاہد۔ مؤرخ احمدیت)

مولوی وحید الدین خان صاحب ایک معروف عالم دین ہیں جن کا شمار معتدل مزاج شخصیات میں ہوتا ہے۔ آپ کی سرپرستی میں اردو بازار لاہور سے ایک معلوماتی ماہنامہ تذکر کے نام سے چھپتا ہے جو "الرسالہ" کا پاکستانی ایڈیشن بھی ہے۔ آپ "اسلامی مرکز" کے صدر بھی ہیں۔ ستمبر ۱۹۹۸ء کا شمارہ اس وقت ہمارے سامنے ہے جو کئی دلچسپ، فکر انگیز اور مفید مطالب و مضامین پر مشتمل ہے۔ ذیل میں اس پرچہ کے بعض اہم نکات ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں:

مسلمانان عالم کو "صلح حدیبیہ" کے اصولوں کو اپنانے کی دعوت

"۶ر ستمبر ۱۹۹۴ء کو مسٹر آصف جیلانی (مقیم لندن) سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کو آپ اکثر حدیبیہ کے اصول پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیبیہ کا معاہدہ تو پیغمبر اسلامؐ نے وحی کی بنیاد پر کیا تھا، آج کے مسلمان کس طرح اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا حدیبیہ ہی نہیں بلکہ آپ کا ہر قول و فعل وحی کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" (النجم: ۳،۴) پھر کیا آپ رسول اللہ کی ہر بات کو اسی عذر کی بنیاد پر چھوڑ دیں گے۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو ہر بات بذریعہ وحی بتائی۔ پھر آپؐ نے اس پر عمل کیا۔ اس طرح آپ کا قول و عمل ہمارے لئے نمونہ بن گیا۔

حدیبیہ ایک سنت رسول ہے۔ یہ کس موقع کے لئے سنت ہے۔ اس کا اندازہ اس زمانے کے حالات کے مطالعہ سے ہوتا ہے جب کہ حدیبیہ کا معاملہ کیا گیا۔ صورت حال یہ تھی کہ ہجرت کے بعد مخالفین اسلام نے جنگ چھیڑ دی۔ کئی جھڑپیں یا جنگیں ہوئیں مگر وہ فیصلہ کن نہ بن سکیں۔ جنگی مقابلوں کے باوجود مکہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ مکہ فتح کرنا مقصد رسالت میں شامل تھا تاکہ اس کو شرک اور بت پرستی سے پاک کیا جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی راہنمائی میں آپؐ نے حدیبیہ کا معاملہ فرمایا اور اس کے نتیجے میں شاندار طور پر مکہ فتح ہوا۔

موجودہ زمانہ میں ہر جگہ مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ پچھلے ۲۰۰ سال سے وہ اپنے حریفوں سے مسلح ٹکراؤ کر رہے ہیں۔ مگر یہ ٹکراؤ مسلمانوں کے نقصان میں اضافہ کے سوا کوئی اور نتیجہ بر آمد نہ کر سکا۔ اب مسلمانوں پر فرض کے درجہ میں ضروری ہو گیا ہے کہ وہ ٹکراؤ اور تصادم کے بے فائدہ تجربہ کو مزید نہ دہرائیں۔ وہ صلح حدیبیہ کے اصول کو مکمل طور پر اختیار کر لیں۔

اب تک انہوں نے جنگ کی قوت کو ناکام طور پر استعمال کیا۔ اب ان کو چاہئے کہ وہ امن کی قوت کو استعمال کریں۔ امن کی قوت کو استعمال کرنے ہی کا دوسرا نام حدیبیہ پرنسپل ہے۔ جس دن مسلمان سنت رسول کی روشنی میں ایسا فیصلہ کریں گے اسی دن ان کی تاریخ بھی بدلنا شروع ہو جائے گی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے دور اول کے مسلمانوں کی تاریخ اسی اصول کے استعمال سے بدل گئی تھی"۔ (صفحہ ۱۸)

امریکی اخبار کی دو خبریں

"امریکہ میں مقیم ہندوستانیوں کا غالباً سب سے بڑا اور سب سے معیاری اخبار India Abroad ہے۔ جو ہفتہ وار چھپتا ہے اور ۵۶ صفحہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ بیک وقت چھ شہروں سے چھپتا ہے۔ میں نے اس کا شمارہ ۱۹ر اگست ۱۹۹۶ء دیکھا۔ اس میں ایک خبر یہ تھی کہ ۳۵ سالہ چک کوہلی (Chuck Kohli) نے انوسٹ کرنے والوں (Investors) کے ساتھ ۳۰ ملین ڈالر کا فراڈ کیا۔ اس کے نتیجے میں ان کو ۵۷ مہینہ کی سزا ہوئی اور اسی کے ساتھ جرمانہ بھی۔

دوسری خبر یہ تھی کہ قادیانی رہنما مرزا طاہر احمد نے ایک بیان میں کہا ہے کہ واشنگٹن نے ضیاء الحق کی مدد کی یہ جانتے ہوئے کہ وہ ایک مطلق ڈکٹیٹر ہیں جب کہ آپ ہمیشہ ڈکٹیٹر شپ کے خلاف بولتے ہیں:

"Washington supported Zia-ul-Haqq knowing him to be an absolute dictator, while at the top of your voices you tell the world that you are against dictatorships".

(صفحہ ۲۸)

☆......☆......☆

"دعوتی کام" بھی اور نفرت بھی

"ایک نوجوان عالم پاکستان سے امریکہ آئے ہوئے ہیں۔ وہ یہاں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میں امریکہ میں رہ کر یہاں دعوتی کام کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ گفتگو کے دوران مولانا سید حسین احمد مدنی اور اس حلقہ کے دوسرے علماء کا ذکر ہوا۔ میں نے کہا کہ ان لوگوں کے تذکرہ میں لکھا ہوتا ہے کہ "حضرت کو انگریزوں سے بڑی نفرت تھی"۔ میں ان علماء کے اخلاق اور دینداری کا قائل ہوں۔ مگر انگریز تو ہمارے لئے مدعو کا درجہ رکھتے تھے اور مدعو کے لئے نصح (خیر خواہی) کا حکم ہے۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ علماء انگریزوں سے نفرت کیوں کرنے لگے۔ مذکورہ عالم نے علماء کی اس منفی روش کو جائز ثابت کرنا شروع کر دیا۔

میں نے کہا آپ فرماتے ہیں کہ میں مغربی دنیا میں آکر دعوت کا کام کرنا چاہتا ہوں۔ اور مغربی لوگوں کے لئے آپ کے سینہ میں خیر خواہی اور محبت نہیں پھر آپ دعوت کا کام کیسے کریں گے۔ میں نے کہا کہ آج کل لوگوں نے دعوت کا کام یہ سمجھ رکھا ہے کہ اسلام کی بالاتری ظاہر کر کے دوسری قوموں کے اوپر فخر کریں۔ یہ دعوت نہیں ہے بلکہ یہ قوم پرستی ہے۔ دعوت یہ ہے کہ دوسروں کو آپ اپنے جیسا انسان سمجھیں۔ آپ کے دل میں ان کے لئے محبت ہو۔ ان کی اصلاح کی خاطر آپ ان کی زیادتیوں کو نظر انداز کرنے کا

حوصلہ رکھتے ہوں۔ آپ ان کی نجات کے حریص بن جائیں۔ اس کے بغیر جو دعوتی کام کیا جائے گا۔ وہ ایک مذاق ہوگا نہ کہ حقیقی معنوں میں دعوت الی اللہ"۔

(صفحہ ۲۸، ۲۹)

مندرجہ بالا تحریر سے ہمارا ذہن خود بخود ۹/اکتوبر ۱۹۸۰ء کے تاریخی دن کی طرف منتقل ہو گیا جبکہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے سپین میں سات سو چوالیس سال کے بعد تعمیر ہونے والی پہلی مسجد کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا تو ساتھ ہی حاضرین کو انگریزی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "میرا پیغام صرف یہ ہے کہ:

"Love for all hatred for none"

یعنی پیار سب کے ساتھ نفرت کسی سے نہیں

اس مختصر مگر انقلاب آفریں پیغام کا اہل سپین نے پرجوش خیر مقدم کیا اور تالیاں بجا کر اپنی دلی مسرت کا ایسے والہانہ انداز میں اظہار کیا کہ اس کے تصور سے آج بھی دل و دماغ روحانی لطف و سرور سے بھر جاتے ہیں ؎

ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

☆......☆......☆

امریکہ میں احمدیت کے مخصوص علم کلام کی فتح کا نقارہ

مذکورہ بالا رسالہ میں مزید لکھا ہے:

"یہاں ایک امریکن مسلم کونسل (Tel:202-789 2262) ہے۔ اس نے ۲۲/اگست ۱۹۹۶ء کو ایک صفحہ کا ایکشن الرٹ (action alert) چھاپ کر تقسیم کیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ امریکی میگزین نیوزویک (۱۹/اگست ۱۹۹۶ء) نے مسٹر وڈورڈ (Kenneth L Woodward) کا ایک آرٹیکل چھاپا۔ اس میں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ طاقت کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں پھیلایا جائے۔

اس الزام کا جواب دیتے ہوئے ایکشن الرٹ میں کہا گیا تھا کہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے صرف اس وقت دفاع کے لئے جنگ کی ہے جبکہ انہیں اکسایا گیا ہے یا ستم زدہ لوگوں کی درخواست پر۔ انہوں نے کبھی اسلام کو پھیلانے کے لئے جنگ نہیں کی:

Historically, Muslims have fought only when provoked, in defence of themselves, or at the request of the opressed, never for the purpose of spreading Islam.

(صفحہ ۲۹)

الحمدللہ آج سے ۹۸ سال قبل امام عصر مسیح وقت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی معرکہ آرا تالیف "گورنمنٹ انگریزی اور جہاد" میں جس نظریہ جہاد کو پوری قوت سے پیش فرمایا تھا امریکن مسلم کونسل کو بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہ امریکہ میں احمدیت کے مخصوص علم کلام کی فتح کا نقارہ ہے اور اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت بھی کہ مغربی دنیا کے قلوب کی تسخیر اور انہیں اسلام میں لانے کے لئے انہی دلائل و براہین کو بروئے کار لانا ضروری ہے جو حضرت اقدسؑ نے قرآن و تاریخ کی روشنی میں اپنے بلندپایہ لٹریچر میں تحریر فرمائے ہیں۔

حضور انور نے مذکورہ کتاب میں عہد نبوی کی تمام جنگوں کو دفاعی قرار دیتے اور ان کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اس لئے ان کے مخالفوں نے بباعث اس تکبر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دل اور دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے جو اپنے تئیں دولت میں، مال میں، کثرت جماعت میں، عزت میں، مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں اس وقت کے مسلمانوں یعنی صحابہ سے سخت دشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودہ زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ آزاررسانی کا اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اور ان کو خوف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پیر جم جائیں اور پھر اس کی ترقی ہمارے مذہب اور قوم کی بربادی کا موجب ہو جائے۔ سو اسی خوف سے جو ان کے دلوں میں ایک رعب ناک صورت میں بیٹھ گیا تھا نہایت جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیاں ان سے ظہور میں آئیں اور انہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدت تھی ان کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوع انسان کے فخر ان شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ان برگزیدہ راستبازوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے خونوں سے کوچے سرخ ہو گئے پر انہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور محبت سے برداشت کی اور ان صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا شکار سمجھ لیا۔ تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گزر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا۔ اور اس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے: اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا و ان الله علی نصرهم لقدیر. الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق۔

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

حج

اُس کی اہمیّت اُس کا فلسفہ اور اُس کے احکام

۳/۱۵

خانہ کعبہ جسے بیت اللہ بھی کہتے ہیں اس کی زیارت کی نیّت سے مکّہ جانا حج کہلاتا ہے۔ اس "زیارت" کی کئی شرائط ہیں جن کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔ اس وقت قرآن کریم کی اُن آیات کو پیش کرنا مدّنظر ہے جن میں حج کی تاریخی حیثیّت اور اس کے احکام کا علی الاجمال ذکر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیت اللہ کی عظمت اور اُس کی تاریخی اہمیّت کے سلسلہ میں فرماتا ہے:۔

۱ - اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ط [1]

یعنی سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کے فائدہ کیلئے بنایا گیا تھا وہ ہے جو مکّہ میں ہے۔ وہ تمام جہانوں کے لئے برکت والا مقام اور موجب ھدایت ہے۔ اس میں کئی روشن نشانات ہیں وہ ابراہیم کی قیام گاہ ہے اور جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آجاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں بیت اللہ کی تعمیر ثانی کے سلسلہ میں فرمایا:۔

۲ - وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ [2]

اور اس وقت کو بھی یاد کر جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اُٹھا رہا تھا اور اس کے ساتھ اسمٰعیل بھی اور وہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ اے ہمارے ربّ ہماری طرف سے اس خدمت کو

[1] :۔ سورہ آل عمران: ۹۷-۹۸ ؛ [2] :۔ سورہ البقرہ: ۱۲۸ تا ۱۳۰ ؛

۳/۱۶

قبول فرما۔ تو ہی ہے جو بہت سُننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

اے ہمارے رب اور ہم یہ بھی التجا کرتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بندہ بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنی ایک فرمانبردار جماعت بنا۔ اور ہمیں ہمارے مناسب حال عبادت کے طریق بتا۔ اور ہماری طرف اپنے فضل کے ساتھ توجہ فرما یقیناً تُو اپنے بندوں کی طرف بہت توجہ کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب ہماری یہ بھی التجا ہے کہ تو انہیں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سُنائے اور اُنہیں کتاب اور حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تُو ہی غالب اور حکمتوں والا ہے۔"

۳ - وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ [1]

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ پر رہائش کا موقعہ دیا اور کہا کہ کسی چیز کو ہمارا شریک نہ بناؤ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور کھڑے ہو کر عبادت کرنے والوں کے لئے اور رکوع کرنے والوں کے لئے اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کرو۔

۴ - وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ [2]

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے اس گھر یعنی کعبہ کو لوگوں کے لئے بار بار جمع ہونے کی جگہ اور امن کا مقام بنایا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک اور صاف رکھو۔

۵ - وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ط وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ [3]

[1] سورۃ الحج: ۲۷ ؛ [2] :۔ سورۃ البقرہ: ۱۲۶ ؛ [3] :۔ سورۃ البقرہ: ۱۲۷ ؛

۳/۱۷

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے رب اس جگہ کو ایک پُرامن شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو بھی اللہ پر اور آنیوالے دن پر ایمان لائیں انہیں ہر قسم کے پھل عطا فرما۔ اس پر اللہ نے فرمایا اور جو شخص کفر کرے اُسے بھی میں تھوڑی مدت تک فائدہ پہنچاؤں گا۔ پھر اُسے مجبور کر کے دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا۔ اور یہ بہت بُرا انجام ہے۔

۶ - وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ج فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ [1]

اور تمام لوگوں میں اعلان کر دے کہ وہ حج کی نیّت سے تیرے پاس آیا کریں پیدل بھی اور ہر ایسی سواری پر بھی جو لمبے سفر کی وجہ سے دُبلی ہو گئی ہو۔ ایسی سواریاں دُور دُور سے گہرے راستوں پر سے ہوتی ہُوئی آئیں گی۔ تاکہ وہ یعنی آنے والے ان منافع کو دیکھیں جو ان کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور کچھ مقرر دنوں میں اللہ کو اُن نعمتوں کی وجہ سے یاد کریں۔ جو ہم نے ان کو دی ہیں یعنی بڑے جانوروں کی قسم سے جیسے اُونٹ۔ گائے وغیرہ۔ پس چاہیئے کہ وہ ان کے گوشت کھائیں اور تکلیف میں پڑے ہُوئے نادار کو کھلائیں۔ پھر اپنی مَیل دُور کریں اور اپنی نذریں پُوری کریں۔ اور پُرانے گھر یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں۔

۷ - وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ [2]

اور اللہ نے لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس گھر کا حج کریں یعنی جو بھی اس تک جانے

کی توفیق پائے اور جو انکار کرے تو وہ یاد رکھے کہ اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

فلسفہ حج

حج ایک عاشقانہ عبادت ہے جب ایک شخص کسی سے محبت کرتا ہے اور اُس کا عاشق ہے

لہ :- سورۃ الحج : ۲۸ تا ۳۰   ۲ہ :- سورۃ آل عمران : ۹۸ ؛

تو وہ اپنے محبوب اور معشوق کو راضی اور خوش کرنے کے لئے مختلف جتن کرتا ہے۔ اپنا حال بے حال کر لیتا ہے۔ دیوانوں کی طرح پھرتا ہے محبوب کے گھر کے اردگرد چکر لگاتا ہے۔ اُس سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے پیار کرتا ہے انہیں چومنے لگتا ہے اور یہ سارے والہانہ انداز اس لئے اختیار کرتا ہے تاکہ اُس کا محبوب کسی طرح اُس پر خوش ہو جائے۔ پیار کی نظر سے اُسے دیکھے ملاپ اور وصال کی کوئی صورت نکل آئے۔ ایک مؤمن کا چونکہ حقیقی محبوب اُس کا اللہ ہے اس لئے اس کے جذبۂ محبت کی تسکین کے لئے پیار اور اُس کے اظہار کے لئے کچھ نمونے حج کی عبادت میں رکھے گئے ہیں۔ وہ اَن سِلی دو چادریں پہنتا ہے۔ سر سے ننگا ہوتا ہے۔ پاؤں میں چپل ہوتے ہیں۔ بال بکھرے بکھرے سے رہتے ہیں کیونکہ کنگھی کرنے کی اجازت نہیں۔ " لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ " مَیں حاضر ہوں۔ مَیں حاضر ہوں۔ کہتا ہوا اللہ کے گھر کا رُخ کرتا ہے حجرِ اسود کو چومتا ہے۔ بیت اللہ کے اردگرد گھومتا اور چکر لگاتا ہے۔ یہ سب کچھ اظہارِ محبت کے والہانہ انداز ہیں۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام حج کی اس حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" محبت کے عالم میں انسانی رُوح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اُس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے۔ ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبانِ صادق کے لئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور خُدا نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور حجرِ اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اس لئے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولۂ عشق اور محبت کو ظاہر کرے۔ سو حج کرنے والے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اس کے گرد گھومتے ہیں۔ ایسی صورتیں بنا کر گویا خُدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں۔ زینت دُور کر دیتے ہیں۔ سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو خُدا کے آستانہ کا پتھر تصوّر کر کے بوسہ دیتے ہیں۔ اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور جسم اس کے گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگِ آستانہ کو چومتا ہے اور رُوح اس وقت محبوبِ حقیقی کے گرد طواف کرتی ہے اور اس کے روحانی آستانہ کو چومتی ہے اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں۔ ایک دوست ایک دوستِ جانی کا خط پا کر بھی اس کو چومتا ہے۔

کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجرِ اسود سے مُرادیں مانگتا ہے بلکہ صرف خُدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہے و بس۔ جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں مگر وہ سجدہ زمین کے لئے نہیں ایسا ہی ہم حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں مگر وہ بوسہ اس پتھر کے لئے نہیں۔ پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان مگر اُس محبوب کے ہاتھ کا ہے جس نے اس کو اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھہرایا۔" لہ

۲ - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایک ویرانہ میں آبادی کی بنیاد رکھی وہاں اپنی بیوی ہاجرۃ اور اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو لبسایا۔ اُس وقت وہاں نہ پانی تھا اور نہ کسی انسان کا گذر۔ اس بے نظیر قربانی کا مقصد یہ تھا کہ یہ جگہ آئندہ عالمگیر ہدایت کا مرکز بنے۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی یہاں بسنے والی نسل سے وہ عظیم الشان نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو جو وجۂ تخلیقِ عالم ہے جو رحمۃٌ للعالمین ہے۔ جس کی لائی ہوئی تعلیم ساری دنیا کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے ہوگی۔ پھر باوجود ظاہر ساز و سامان نہ ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مولا سے جیسی توقع کی تھی ویسا ہی ظہور میں آیا۔ خُدا نے وہاں غیر معمولی حالات میں پانی مہیا کیا۔ یہ جگہ آہستہ آہستہ آباد ہوئی اور بکّہ یا مکّہ کہلائی۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر بنائے گئے پہلے مکان کے نامعلوم زمانوں سے مٹے ہوئے آثار کو تلاش کیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر اس مکان کو دوبارہ تعمیر کیا اور اسے " مَثَابَةً لِّلنَّاسِ" بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔

یہی وہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اسی کا نام بیت اللہ، بیت العتیق، بیت المعمور اور کعبہ ہے۔ تمام دُنیا کے مسلمان اس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ غرض یہ گھر یہ شہر اور اس کے گرد کے مقامات ایسی جگہیں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں عظیم الشان نشان ظاہر ہوئے۔ جہاں کا چپہ چپہ یہ گواہی دے رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں اللہ ان کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ان شعائر اللہ کی یاد تازہ کرنے اور یہ یقین حاصل کرنے کے لئے کہ وہ سچے وعدوں والا ہے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ کعبہ اور دوسرے شعائر اللہ کی زیارت کریں اور دیکھیں کہ خُدا نے جو کچھ کہا تھا وہ کیسے اور کتنے شاندار انداز میں پورا ہوا۔

۳ - ہر قوم و ملّت کا ایک مرکزِ اتحاد ہوتا ہے جہاں اس قوم کے افراد جمع ہو کر خُدا کی عبادت کرتے

لہ :- چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱ ؛

ہیں۔ اپنے تمدن اور اپنی ثقافت کے اجتماعی آثار دیکھتے ہیں۔ افرادِ ملّت باہمی تعارف حاصل کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مشکلات کو سمجھتے اور انہیں دُور کرنے اور مقاصد کے حصول کے لئے متحدہ کوشش کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا :-

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ - لہ

ہر قوم کے لئے ہم نے ایک مرکز بنایا ہے۔ جہاں عقیدت کے جذبات کے ساتھ اپنے اللہ کو یاد کرنے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں۔

اسی تصوّر کے لئے حج کی عبادت کو نمونہ کا رنگ دیا گیا ہے تاکہ حج کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اکٹھے مل کر اپنے مالک و خالق کے حُسن کے گیت گائیں۔ اُس کے فضلوں کا شکریہ ادا کریں مشکلات دُور کرنے کے لئے اس کے حضور عاجزانہ دعائیں مانگیں۔ دُنیا کے کونے کونے میں بسنے والے مسلمان ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں۔ اجتماعی ثقافت کی بنیادیں استوار کریں۔ باہمی مشورہ اور اجتماعی جدوجہد کے مواقع پیدا کریں۔ یہ سب اور کئی اور فوائد حج کی حکمت کا حصہ ہیں۔

مقاماتِ حج

بیت اللہ :- ہزارہا سال گزرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ویرانے میں عبادت کے لئے ایک معبد بنایا گیا تھا۔ اس کے بنانے والے کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ کون تھا۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ وہ معبد قومی اور ملّی ہونے کے لحاظ سے دنیا میں سب سے پہلا معبد تھا۔ عالم الغیب خُدا خود اس کی خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے :-

" إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ - ۲ہ

نیز فرمایا :-

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ - ۳ہ

غرض کچھ عرصہ تک لوگ اس معبد میں خدا تعالیٰ کا نام لیتے رہے لیکن نامعلوم کیا تغیرات ہوئے کہ وہ جگہ ویران ہو گئی اور عبادت کرنے والے لوگ پراگندہ ہو گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ جگہ پیاری تھی پس اس نے ارادہ کیا کہ وہ اُسے پھر سے آباد کرے اور ہمیشہ کے لئے دُنیا کی ہدایت کا مرکز بنائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آبادی کے لئے ایک ایسا مصفّٰی انسان چُنا جس کی اولاد نے اپنی نورانی شعاعوں سے آج تک دنیا کو روشن کر رکھا ہے۔

لہ : الحج : ۳۵   ۲ہ : آل عمران : ۹۷   ۳ہ : مائدہ : ۹۸

یہ شخص ایک بُت ساز گھرانے میں پیدا ہُوا تھا۔ وہ عراق کے شہر کدیم یا اُڑ کا رہنے والا تھا۔ اس کے خاندان کے لوگوں کا گذارہ بتوں کے چڑھاووں اور بُت فروشی پر تھا۔ والد بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور چچا کی آغوش میں وہ پلا تھا۔ جس نے اپنے بیٹوں کے ساتھ اُسے بھی بُت فروشی کے کام پر لگایا۔ حقیقت سے ناآشنا چچا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس دل کو خالقِ کون و مکاں چُن چکا ہے اس میں بتوں کے لئے کیا جگہ ہو سکتی۔ پہلے ہی دن ایک گاہک جو اپنی عمر کی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا اور نہایت ہی مالدار بُت خریدنے کے لئے آیا۔ بُت فروش چچا کے بیٹے خوش ہُوئے کہ آج اچھی قیمت پر سودا ہو گا۔ بوڑھے امیر نے ایک اچھا سا بُت چُنا اور قیمت دینے ہی لگا تھا کہ "اس بچہ" کی توجہ اس گاہک کی طرف ہُوئی اور اُس نے اُس سے سوال کیا کہ میاں بوڑھے! تم قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو تم اس بت کو کیا کرو گے؟

اس نے جواب دیا۔ اسے گھر لے جاؤں گا اور ایک صاف اور مطہر جگہ میں رکھ کر اس کی عبادت کروں گا۔ یہ "سعید بچہ" اس خیال پر اپنے جذبات کو روک نہ سکا۔ اس نے بوڑھے سے کہا میاں! تمہاری عمر کیا ہو گی؟ اس نے اپنی عمر بتائی اور اس بچہ نے نہایت حقارت آمیز ہنسی ہنس کر کہا کہ تم اتنے بڑے ہو اور یہ بُت تو ابھی چند دن ہُوئے میرے چچا نے بنوایا ہے۔ کیا تمہیں اس کے سامنے سجدہ کرتے ہُوئے شرم نہ آئے گی؟ نہ معلوم اس بوڑھے کے دل پر توحید کی کوئی چنگاری گری یا نہ گری۔ لیکن اس وقت اس بُت کا خریدنا اُس کے لئے مشکل ہو گیا۔ اور وہ بُت وہیں پھینک کر واپس چلا گیا۔ اس طرح ایک اچھے گاہک کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بھائی سخت ناراض ہُوئے اور اپنے باپ کو اطلاع دی جس نے اس بچہ کی خوب خبر لی۔

یہ پہلی تکلیف تھی جو اس پاک باز ہستی نے توحید کے لئے اٹھائی مگر باوجود چھوٹی عمر اور کم سنی کے زمانہ کے یہ سزا جوشِ توحید کو سرد کرنے کی بجائے اسے اور بھی بھڑکانے کا موجب ہوئی۔ سزا نے فکر کا دروازہ کھولا اور فکر نے عرفان کی کھڑکیاں کھول دیں۔ یہاں تک کہ بچپن کی طبعی سعادت جوانی کا پختہ عقیدہ بن گئی اور آخر اللہ تعالیٰ کا نور نوجوان کے ذہنی نور پر گر کر الہام کی روشنی پیدا کرنے کا موجب بن گیا۔

آخر یہ بچہ ابراہیم کے نام سے دُنیا میں مشہور ہُوا۔ یہ عظیم انسان اپنے شہر کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر وہاں سے نکلا اور اپنی بیوی سارہ کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے پھرتے پھراتے فلسطین آ پہنچا اور عرصہ تک اس ملک میں رہا۔ لیکن ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی نہ بیٹا نہ بیٹی۔ آخر سارہؓ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں۔ مَیں چاہتی ہُوں کہ اس لڑکی کو جو کہ مصر کے بادشاہ نے ہماری خدمت کے لئے دی ہے تُو اپنی بیوی بنا شاید اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اولاد عطاء فرمائے۔ یہ نیک اور پاک باز عورت درحقیقت شاہ مصر کے خاندان کی ایک لڑکی تھی اور اُس نے ابراہیمؑ کی معجزانہ طاقت کو دیکھ کر ان کی دعاؤں کے حصول کی غرض سے اُن کی خدمت کے لئے اُسے ساتھ کر دیا تھا۔ اس لڑکی کا نام ہاجرہؓ تھا۔ ابراہیم نے اپنی بیوی کی اس بات کو قبول کر کے ہاجرہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ اور خدا تعالیٰ نے بڑھاپے میں ابرام کو ایک لڑکا دیا جس کا نام اُس نے اسمٰعیل رکھا۔ یعنی خداوند خُدا نے ہماری دُعا سُن لی۔ اس بیٹے کی پیدائش پر خُدا تعالیٰ نے ابرام کا نام ابراہام کر دیا۔ کیونکہ اس سے نعمتوں کی فراوانی اور آسمانی برکت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اسی ابراہام کا تلفظ عربی زبان میں ابراہیم ہے۔ اسی وجہ سے عبرانی لوگ اُسے ابراہام اور عرب ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ سارہ جس نے خوشی سے ابراہیمؑ کو ہاجرہؓ کے بیوی بنانے کا مشورہ دیا تھا اس کے بچہ جننے پر کچھ دلگیر ہوئی اور اس نے اس طبعی کمزوری کی وجہ سے ہاجرہؓ اور اس کے بچہ کو تکلیفیں دینی شروع کیں۔ ابراہیم کے دل پر یہ صورتحال ناگوار گذری۔ لیکن بیوی کی سالہا سال کی خدمت اور اخلاص کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے وہ کچھ نہ کہہ سکے بلکہ کہا تو یہی کہ ہاجرہؓ تمہاری لونڈی ہے تم جس طرح چاہو اُس سے سلوک کرو۔ آہ ابراہیم کو کیا معلوم کہ یہ سب سامان کسی اور ہی غرض کے لئے ہو رہے تھے اور یہ سب واقعات ابراہیم کی ایک اور ہجرت کے سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔

انہی ایام میں جب اسمٰعیلؑ کچھ سمجھدار ہو گئے اور اپنے والد کے ساتھ دوڑ دوڑ کر چلنے لگے تھے کہ ابراہیمؑ نے ایک خواب دیکھا کہ وہ اسمٰعیلؑ کو خُدا تعالیٰ کے لئے قربان کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں انسانوں کی قربانی کا عام رواج تھا اور اُسے خُدا تعالیٰ کے فضل کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ ابراہیمؑ نے بھی خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے اخلاص کا امتحان لینا چاہتا ہے اس لئے جھٹ اپنے بڑھاپے کی اولاد کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور بچہ سے محبت کے ساتھ پوچھا کہ تیری مرضی کیا ہے۔

بچہ گو چھوٹا تھا مگر نورِ نبوت اُس کی پیشانی سے چمک رہا تھا۔ نیک باپ کی تربیت کی وجہ سے گو ابھی مذہب کی باریکیاں نہ سمجھتا ہو لیکن اس قدر جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہیں ٹالنا چاہیئے وہ بولا جس طرح چاہو اللہ کے حکم کو پُورا کرو۔ باپ نے آنکھوں پر پٹی باندھی اور بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور اُسے پیشانی کے بل لِٹا دیا۔ مگر خواب کا مطلب درحقیقت کچھ اور تھا اور اس کی تعبیر کسی اور طرح ظاہر ہونے والی تھی۔ چنانچہ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو الہام کیا کہ اب ظاہر میں بچہ کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قُربِ الٰہی کے لئے انسانی قربانی کا یہ انداز ہمیشہ کے لئے منسوخ کیا جاتا ہے۔ آئندہ یہ قربانی اس رنگ میں قبول ہو گی کہ خُدا کی رضا اور اس کے دین کی خاطر جان و مال عزت اور وقت کی قربانی دی جائے تاہم اس اقرار کے ظاہری نشان کے لئے بطور یادگار آئندہ ہر سال ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو عُمدہ اور قیمتی جانور کی قربانی دی جائے۔

بہرحال ان قربانیوں اور دعاؤں کے نتیجہ میں حضرت ابراہیمؑ کو بشارت ملی کہ اس بچّہ کی نسل کو مَیں بڑھاؤں گا اور لوگ اس کی نسل کے ذریعہ برکت پائیں گے چنانچہ الٰہی اشارہ اور حالات پیش آمدہ کے تحت حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی ہاجرہ اور پلوٹھے بیٹے اسمٰعیلؑ کو اُس جگہ چھوڑ آئے جہاں آجکل مکّہ آباد ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کا نام بکّہ بھی تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو یہاں آباد کرنے اور اس جگہ کو رونق بخشنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہمیشہ کی زندگی کے مرکز "بیت العتیق"[1] کو جس کی بنیادیں ریت کی تہوں میں اپنی صدیوں کی تاریخ چھُپائے ہُوئے تھیں پھر سے تعمیر کیا جائے۔

غرض یہاں آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد ارشادِ الٰہی کے تحت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کی مدد سے اُس گھر کو تعمیر کیا جو قبلۂ عالم ہے۔ کعبہ اور بیت اللہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ یہ گھر مسجد حرام کے درمیان میں بنا ہُوا ہے۔ اس پر سیاہ ریشمی غلاف چڑھا رہتا ہے۔

کعبہ کی موجودہ شکل مستطیل ہے۔ شمالاً جنوباً ۴۴ فٹ لمبا اور شرقاً غرباً ۳۳ فٹ چوڑا ہے اُونچائی ۴۵ فٹ ہے۔

حطیم

خانہ کعبہ کی شمالی دیوار کے ساتھ بشکل کمان کچھ خالی جگہ ہے۔ اس کے اردگرد چھوٹی چھوٹی دیوار ہے لیکن اُوپر چھت نہیں۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے جب قریش نے خانہ کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر کی تو چھت کے لئے وافر لکڑی نہ مل سکنے کی وجہ سے یہ حصّہ بغیر چھت کے چھوڑ دیا گیا۔ طواف میں اس حصّہ کو شامل کیا جاتا ہے لیکن مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہُوئے اگر صرف اس حصّہ کی طرف مُنہ کیا جائے تو نماز درست نہیں ہو گی۔ خانہ کعبہ کا طلائی پرنالہ "میزابِ رحمت" حطیم میں ہی گرتا ہے۔

---

[1]:- سورہ الحج : ۳۰

حجرِ اسود

خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی کونہ کے پاس ایک سیاہ رنگ کا پتھر نصب ہے اسے "حجرِ اسود" کہتے ہیں۔ اس پتھر کو بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔ یہ پتھر غالباً شہابِ ثاقب کا ایک بہت بڑا ٹکڑا تھا جو مکّہ کے قریب ابو قبیس نامی پہاڑ پر گرا۔ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ اس نمایاں پتھر کو وہاں سے اُٹھا لائے اور "کونے کے پتھر" کی تمثیل اور ایک عظیم یادگار کے طور پر اسے اس دیوار میں نصب کر دیا۔ اب جو بھی کعبہ کا طواف کرتا ہے اُسے حکم ہے کہ سب سے پہلے وہ اس "یادگار پتھر" کو بوسہ دے۔ یہ پتھر اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے اور اُس کے قادرِ مطلق ہونے اور صادق الوعد ہونے کا ایک خاص نشان ہے اور جس سے پیار ہو اُس سے تعلق رکھنے والی خاص

اشیاء بھی پیاری لگتی ہیں۔ یہی فلسفہ حجرِ اسود کو چومنے کا ہے۔ ورنہ یہ پتھر اپنی ذات میں نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ اور نہ مسلمان اسے کسی رنگ میں نافع یا ضار سمجھتے ہیں۔

مُلتزَم

حجرِ اسود اور "بابِ کعبہ" کے درمیان کی شمالی دیوار کا حصّہ مُلتزَم کہلاتا ہے۔ حج کرنے والے واپسی کے وقت کعبہ کے اس حصّہ سے اپنے سینہ کو لگاتے ہیں۔ جیسے معانقہ کیا جاتا ہے "بیت اللہ" سے الوداع اور اس کی آخری زیارت کا یہ ایک والہانہ انداز ہے۔

رُکنِ یمانی

خانہ کعبہ کا جنوب مغربی کونہ جو کہ یمن کی سمت ہے اس لئے اسے "رکنِ یمانی" کہتے ہیں۔ طواف کے وقت اس کونہ کو ہاتھ سے چھونا اور اُسے بوسہ دینا مستحب ہے۔

مطاف

خانہ کعبہ کے اردگرد سنگِ مرمر کا بنا ہوا ایک دائرہ ہے اس جگہ بیت اللہ کے اردگرد طواف کرتے ہیں۔ طواف ایک عبادت ہے جو بیت اللہ کے اردگرد سات چکر لگا کر ادا کی جاتی ہے۔

مقامِ ابراہیم

بیت اللہ کے دروازہ اور ملتزم کے سامنے ایک قبہ (گنبد نما چھوٹی سی عمارت) ہے اس میں وہ پتھر رکھا ہوا ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی دیواریں چنی تھیں۔ اسی جگہ کو جہاں پتھر رکھا ہے "مقامِ ابراہیم" کہتے ہیں۔

طواف کے سات چکر لگانے کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا واجب ہیں۔ ان دو رکعت کا "مقامِ ابراہیم" میں ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" ۱؎

یعنی۔ ابراہیم کے مقام (کھڑے ہونے کی جگہ) کو مصلّی (نماز پڑھنے کی جگہ) بناؤ۔

زمزم

مقامِ ابراہیم سے بائیں طرف اور کعبہ سے بجانب مشرق ایک کنواں ہے جو بوجہ پیاس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے بطور نشان نمودار ہوا۔ یہ کنواں اُس وقت کی یادگار ہے اسے زمزم کہتے ہیں۔ زمزم کا پانی رو بقبلہ کھڑے ہو کر بڑے ادب سے حصولِ برکت کی غرض سے پیا جاتا ہے۔

مسجد الحرام

"خانہ کعبہ" کے اردگرد مستطیل اور کسی حد تک گول کھُلے صحن کی وسیع و عریض مسجد ہے جہاں لوگ دائرہ کے رنگ میں صفیں بنا کر اور بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ اسی مسجد کو قرآن کریم میں "المسجد الحرام" کہا گیا ہے۔ جیسے وہ فرماتا ہے:۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۲؎

اس مسجد کا موجودہ رقبہ ایک لاکھ مربع میٹر سے بھی زیادہ ہے۔ اردگرد پتھر کے ستونوں پر گنبد نما چھتوں والے برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ ان برآمدوں میں بھی نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس مسجد کی شکل و صورت بڑی مختصر اور اس سے بالکل مختلف تھی۔

۱؎:۔ بقرہ: ۱۲۶ ۲؎:۔ الفتح: ۲۸

صفا و مروہ

مکہ میں مسجد حرام کے قریب جنوب کی طرف دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ اب کچھ ہموار ہو کر دالان اور چبوترے کی شکل میں ہیں۔ مسجد حرام سے نکلیں تو پہلے صفا پہاڑی آتی ہے۔ اس کے بعد مشرق کی طرف ہٹتے ہوئے مروہ کی پہاڑی ہے۔ حضرت ہاجرہؑ نے پانی کی تلاش اور گھبراہٹ کے عالم میں ان پہاڑیوں کے سات چکر لگائے تھے۔ کبھی وہ صفا پر چڑھتیں اور کبھی مروہ کی طرف بھاگ کر جاتیں اور پھر صفا کی طرف آجاتیں۔ اسی اضطراری کیفیت اور اس کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی یاد میں حج اور عمرہ کرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ صفا اور مروہ کے بھی سات چکر لگائیں اس عبادت کو سعی بین الصفا والمروۃ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۱؎

صفا اور مروہ یقیناً اللہ کے نشانات میں سے ہیں سو جو شخص اس گھر (یعنی کعبہ) کا حج یا عمرہ کرے تو اُسے اُن کے درمیان تیز چلنے پر کوئی گناہ نہیں۔

مکہ سے باہر کے مقامات

منیٰ:۔ مکہ سے مشرق کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ایک وسیع میدان ہے اس میدان میں ہی وہ تین پتھر ہیں جن کا نام جمرہ یا شیطان مشہور ہے۔ ان تین پتھروں کے نام یہ ہیں:۔

جَمْرَةُ الْاُوْلٰى - جَمْرَةُ الْوُسْطٰى - جَمْرَةُ الْعَقَبَة

مزدلفہ سے واپس آکر ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ کو ان جمرات کو کنکریاں ماری جاتی ہیں جسے "رمی الجمار" کہا جاتا ہے۔ حج کرنے والے ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے منیٰ میں آجاتے ہیں۔ یہیں اس دن کی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ ۹ ذوالحجہ کی فجر بھی یہیں ادا ہوتی ہے۔ اسی میدان کے ایک حصہ میں وہ عظیم قربان گاہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یاد میں ہر سال لاکھوں جانور ذبح ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کی تاریخی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

۱؎:۔ بقرہ: ۱۵۹

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۲؎ اور ہم نے اس (یعنی اسمٰعیل) کا فدیہ ایک بڑی قربانی کے ذریعہ دیدیا۔

حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۳؎ جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر (نہ) پہنچ جائے۔

میں مَحِلّ سے مراد منیٰ کا یہی مقام ہے۔

عرفات:۔

مکہ سے شمال مشرق کی طرف قریباً ۹ میل کے فاصلہ پر وہ عظیم الشان میدان ہے جہاں ۹ ذوالحجہ کو سب حاجی جمع ہوتے ہیں۔ اس میدان کو عرفہ یا عرفات کہتے ہیں۔ ظہر کے وقت سے لیکر سورج غروب ہونے تک یہاں قیام کیا جاتا ہے جسے وقوف عرفہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۴؎

پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ۵؎

اور جہاں سے لوگ (واپس) لوٹتے رہے ہیں وہیں سے تم بھی واپس لوٹو۔

جبل الرحمت بھی اسی میدان کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔

مزدلفہ:۔

عرفات سے بجانب منیٰ تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک میدان ہے۔ مشعر الحرام جو ایک پہاڑی ہے وہ بھی اسی میدان میں ہے۔ عرفات سے واپسی پر حج کرنے والے اس میدان میں رات بسر کرتے ہیں اور یہیں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرکے پڑھتے ہیں۔ ۱۰ ذوالحجہ کی فجر

کی نماز بھی یہیں ادا کرنی ہوتی ہے۔ نماز فجر کے بعد مشعر الحرام کے پاس جا کر بکثرت ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۵

مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

مواقیت ۶ :۔

مواقیت میقات کی جمع ہے۔ میقات سے مراد وہ جگہ ہے جہاں یا اُس کے قرب وجوار اور محاذ میں اکنافِ عالم اور دُور دراز کے علاقوں سے حج کی نیت سے مکہ آنے والے احرام باندھتے ہیں۔ اور ان مقامات سے آگے احرام باندھے بغیر جانا منع ہے۔ احرام سے مراد ایک خاص

۱ :۔ صٰفّٰت : ۱۰۸ ۲ :۔ بقرہ : ۱۹۷ ۳ بقرہ ۱۹۹ ۴ بقرہ ۲۰۰ ۵ بقرہ ۱۹۹ ؛

۳۴

طریق سے حج یا عمرہ کی نیت کرنا ہے۔

مختلف علاقوں کے لئے مختلف میقات ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :۔

ذوالحلیفہ :۔

مدینہ سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر بطرف مکہ ایک گاؤں ۱ ہے۔ مدینہ یا اس طرف سے حج کے ارادہ سے آنے والے یہاں پہنچ کر احرام باندھتے ہیں۔ احرام باندھے بغیر اس جگہ سے آگے بڑھنا درست نہ ہوگا۔

جُحفہ :۔

مکہ سے بجانب شمال قریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ایک مقام ۲ ہے جو مصر شام اور مغرب یعنی شمالی افریقہ کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔

ذاتُ العرق :۔

مکہ سے قریباً تیس ۳ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی گاؤں ہے جو عراق اور خشکی کے راستے مشرقی علاقوں کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔

قرن منازل :۔

مکہ سے اندازاً تیس چالیس میل دُور مشرق کی طرف ایک پہاڑ ۴ ہے۔ نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے۔

یَلَمْلَم :۔

مکہ سے جنوب کی طرف اندازاً اتیس میل کے فاصلہ پر سمندر کے اندر اُٹھی ہوئی ایک پہاڑی ۵ کا نام ہے یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے۔ پاکستان کی طرف سے بذریعہ بحری جہاز جانے والوں کا بھی یہی میقات ہے۔

جو لوگ ان مقامات کے اندر مکہ کے قریب رہتے ہیں۔ ان کا میقات ان کی جائے رہائش ہے یعنی وہ گھر سے ہی احرام باندھ کر چلیں۔

۱ :۔ هُوَ مَوْضِعُ مَاءٍ لِبَنِي جُشَمٍ ؛ ۲ :۔ هِيَ قَرْيَةٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ يَقْرُبُ مِنْهَا الْقَرْيَةُ الْمَعْرُوْفَةُ بِرَابِغٍ ؛ ۳ :۔ هِيَ قَرْيَةٌ عَلٰى مَرْحَلَتَيْنِ مِنْ مَكَّةَ ۔ ۴ :۔ هُوَ جَبَلٌ مُشْرِقٌ عَلٰى عَرَفَاتٍ ؛ ۵ :۔ هُوَ جَبَلٌ مِنْ جِبَالِ تهامه ؛

۳۵

حج کے ارادہ سے مکہ جانے والا گھر سے بھی احرام باندھ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ مکہ کے رہنے والے مکہ کے اندر ہی احرام باندھ سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی میقات کے پاس جا کر وہاں سے احرام باندھیں۔

میقات کا مفہوم صرف یہ ہے کہ یہاں سے آگے مکہ کی طرف احرام باندھے بغیر جانا ممنوع اور طریقِ حج کے خلاف ہے۔

تنعیم ۱

مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ مکہ میں رہنے والوں کے لئے یہ میقات ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص مکہ میں رہ رہا ہو اور عمرہ کرنے کو اس کا دل چاہے تو مکہ سے باہر تنعیم آ جائے اور پھر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہو تا کہ عمرہ کرنے کے لئے بھی ایک گونہ سفر کی شرط پوری ہو جائے۔ حدیث میں ہے :۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ اَنْ يُعْمِرَ عَائِشَةَ مِنَ التَّنْعِيْمِ ۲

حج اور عمرہ کی عبادت کا ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی خاطر مسافرت اختیار کرنا اور اپنے شہر سے باہر نکلنا بھی ہے۔

حَرَم ۳

مکہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ حرم کہلاتا ہے۔ حرم کی حدود مختلف اطراف سے مختلف ہیں۔ ایک طرف سے مکہ سے قریباً تین میل دوسری طرف سے سات میل تیسری طرف سے نو میل بجانب جدہ حرم کی حدیں ہیں۔

حدودِ حرم کے اندر شکار کھیلنا، کسی جنگلی جانور کو پریشان کرنا۔ خودرو ہری گھاس یا خودرو درخت

۱ :۔ هُوَ مَكَانٌ يُسَمّٰى بِمَسَاجِدِ عَائِشَه ؛ ۲ :۔ ترمذی کتاب الحج باب العمرة من التنعيم ص۱۱۲ ؛

۳ :۔ مکہ کی شمالی جانب تنعیم تک چھ کلومیٹر۔ مکہ کی جنوبی جانب اضاء تک ۱۲ کلومیٹر۔ مکہ کی شرقی جانب جعرانہ تک ۱۶ کلومیٹر۔ مکہ کی مغربی جانب شمیسی تک ۱۵ کلومیٹر۔ مکہ کی شمالی مشرقی جانب وادی نخلہ تک ۱۴ کلومیٹر موجودہ حد بندی بیان کی جاتی ہے۔

۳۳

کاٹنا منع ہے۔ البتہ موذی جانور مثلاً خونخوار درندہ۔ سانپ۔ بچھو۔ فصلوں کو نقصان پہنچانے والا کوا۔ چیل۔ چوہا اور باؤلے کتے کو مار سکتے ہیں۔ اذخر نامی گھاس اور خود کاشتہ فصل کاٹ سکتے ہیں۔

اوقاتِ حج

حج کے لئے خاص مہینے مقرر ہیں جنہیں "اَشْهُرُ الْحَج" یعنی حج کے مہینے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۱

حج کے مہینے (سب کے) جانے بوجھے ہوئے مہینے ہیں۔ پس جو شخص ان میں حج کا ارادہ پختہ کرے (اُسے یاد رہے کہ) حج کے ایام میں نہ تو کوئی شہوت کی بات نہ کوئی نافرمانی اور نہ کسی قسم کا جھگڑا کرنا جائز ہوگا۔

یہ شوال۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تین ماہ ہیں۔ ان کو اشہر الحج اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں حج کی تیاری۔ اخلاق کی درستگی اور حج کے دوسرے احکام مثلاً احرام وغیرہ عملی ارکان کا آغاز ہوتا ہے حج کے آخری مناسک ذوالحجہ کی ۱۳ تاریخ تک ادا کرنے ہوتے ہیں۔ البتہ طواف افاضہ جسے طواف زیارہ بھی کہتے ہیں۔ دسویں ماہ ذوالحجہ سے لے کر آخر ماہ تک ادا کیا جا سکتا ہے۔

حج فرض ہونے کی شرائط

مسلمان ہو۔ عاقل بالغ ہو۔ اتنا مالدار ہو کہ گھر کے خرچ اخراجات کے علاوہ مناسب زادِ راہ پاس ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۲

یعنی سفر کے مصارف کے لئے وافر رقم موجود ہو اور تندرست اور سفر کے قابل ہو۔ راستہ پُر امن ہو۔ مکہ جانے میں کوئی روک نہ ہو۔

۱ :۔ البقرہ : ۱۹۸ ۲ :۔ البقرہ : ۱۹۸

ارکانِ حج

حج کے تین بنیادی رکن ہیں :-

(i) احرام یعنی نیت باندھنا۔

(ii) وقوف عرفہ۔ یعنی نو ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں ٹھہرنا۔

(iii) طواف زیارت جسے طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ طواف جو وقوف عرفہ کے بعد دسّں ذوالحجہ یا اس کے بعد کی تاریخوں میں کیا جاتا ہے۔

نو ذوالحجہ کو اگر کوئی شخص عرفات کے میدان میں خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی ہی نہ پہنچ سکے تو اس کا حج نہیں ہوگا۔ پھر اگلے سال نئے احرام کے ساتھ اُسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

حج کرنے کا طریق

جب انسان مالدار۔ تندرست اور سفر کے قابل ہو اور راستہ پُرامن ہو تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ جب وہ حج کے ارادہ سے جانے لگے تو تمام رشتہ داروں اور دوستوں سے رُخصت ہو۔ اور واپسی تک اپنے بال بچوں کے لئے ضروریات زندگی کا بندوبست کر جائے۔

احرام

جب میقات مثلاً یلملم کے پاس پہنچے تو وضوء کرے یا نہائے۔ خوشبو لگائے۔ دو صاف بے سلی چادریں پہنے۔ ایک بصورت تہہ بند باندھے اور دوسری بصورت چادر اوڑھے۔ سر ننگا رکھے۔ یہ مرد کے لئے حکم ہے۔ عورت اُسی لباس میں جو اُس نے پہن رکھا ہے حج کر سکتی ہے۔ البتہ عام حالات میں احرام کے بعد اپنا منہ ننگا رکھے اس پر نقاب نہ ڈالے۔ سوائے اس کے کہ کسی نامحرم کا آمنا سامنا ہو اور اُس سے پردہ کرنا ضروری ہو جائے۔

اس کے بعد مرد ہو یا عورت دو رکعت نفل پڑھے اور پھر حج کی نیت[1] کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ کہے :-

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ [2]

[1] :- حج کی نیت کیلئے گو منہ سے کچھ کہنا ضروری نہیں لیکن اگر کوئی زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کرے تو کر سکتا ہے عربی کے

میں حاضر ہوں اے میرے رب تیرے حضور میں حاضر ہوں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں ۔ حمد و ثناء کا تو ہی مالک ہے۔ تمام ملک تیرا ہے ۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہ عربی الفاظ تلبیہ کہلاتے ہیں۔ تلبیہ احرام کا ضروری حصّہ ہے۔ اگر یہ الفاظ حج کے ارادہ کے ساتھ نہ کہے جائیں تو احرام مکمل نہیں ہوگا۔ گویا حج شروع کرنے کے لئے تلبیہ کی بالکل وہی حیثیت ہے جو نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے کی ہے۔

تلبیہ کے بعد انسان محرم ہو جاتا ہے۔ یعنی حج کے مناسک اور احکام بجا لانے کے قابل ہو جاتا ہے محرم کو بہت سی ایسی باتوں سے بچنا پڑتا ہے جو عام حالات میں اس کے لئے جائز ہیں۔ مثلاً خشکی کا شکار کرنا۔ یا کسی سے کروانا۔ خوشبو یا تیل لگانا۔ کنگھی کرنا۔ بال کٹوانا۔ ناخن کاٹنا۔ مرد کے لئے قمیص یا سلا ہوا کپڑا پہننا سر اور چہرہ ڈھانکنا۔ پگڑی باندھنا یا ٹوپی پہننا۔ موزے یا فُل بوٹ استعمال کرنا۔ بیوی سے مباشرت کرنا یا اُس کے مقدمات کا ارتکاب کرنا جیسے بوسہ لینا وغیرہ۔ غرض ایسے تمام امور سے اجتناب لازمی ہے۔ جو آسائش اور آرام کی زندگی کا لازمہ ہیں۔

احرام کی حالت میں فسق و فجور اور جنگ و جدال بہت مذموم حرکات ہیں۔ عام حالات میں بھی ایک مسلمان سے ایسے افعال شنیعہ کی اُمید نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ خُدا کے گھر کی زیارت کی نیت سے جانے والا اس قسم کی حرکات کا مرتکب ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ ۔ [1]

پس جو شخص ان میں حج (کا ارادہ) پختہ کر لے (اُسے یاد رہے) کہ (حج کے ایام) میں نہ تو کوئی شہوت کی بات نہ کوئی نافرمانی اور نہ کسی قسم کا جھگڑا کرنا (جائز) ہوگا۔

احرام کے بعد بکثرت تلبیہ کہا جائے۔ چلتے پھرتے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ بلند جگہ پر چڑھتے ہوئے اور نیچے اترتے ہوئے بالالتزام تلبیہ کہے۔ تکبیر۔ ذکرِ الٰہی۔ استغفار اور درود شریف پر زور دے۔

جب مکہ کے قریب پہنچے اور کعبۃ اللہ نظر آئے تو تلبیہ اور تکبیر کہتے ہوئے نہایت درد اور توجہ کے ساتھ اپنے نیک مقاصد کے لئے دُعا مانگے۔ قبولیت دُعا کا یہ خاص وقت ہے[2]۔

[1] :- سورۃ البقرہ : ۱۹۸ ÷ [2] :- نیل الاوطار باب رفع الیدین اذا رأی البیت ص ۳۶-۳۷

جب مکہ میں داخل ہو تو سامان وغیرہ رکھ کر اور وضوء یا غسل کر کے سیدھا مسجد حرام میں جائے۔ تکبیر اور تلبیہ کہتے ہوئے حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو جائے اور جس طرح سجدہ میں ہاتھ رکھتے ہیں۔ اس طرح کعبہ کی دیوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے حجر اسود کو چُومے اور اگر چُوم نہ سکے تو اپنے ہاتھ سے اُسے چھوئے۔ اور اگر چھُو بھی نہ سکے تو چھڑی یا ہاتھ سے اشارہ کر کے اُسے چُوم لے۔ دھینگا مشتی کر کے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ حجر اسود کو اس طرح بوسہ دینے کو "اِسْتِلَام" کہتے ہیں۔

اِستلام کے بعد طواف شروع کرے یعنی حجر اسود کی دائیں جانب جدھر دروازہ ہے اس کی طرف چلتے ہوئے بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔

حطیم بھی کعبہ کا حصّہ ہے اس لئے چکر لگاتے ہوئے اس کے باہر سے گزرے۔ پہلے تین چکروں میں رَمَل یعنی کسی قدر فخریہ انداز میں کندھے مٹکاتے ہوئے تیز تیز قدم چلنا مسنون[1] ہے۔ ہر چکر میں جب بھی حجرِ اسود کے سامنے پہنچے تو اس کا اِستلام کرے۔ رکنِ یمانی کا اِستلام بھی مستحسن ہے۔ ساتواں چکر حجر اسود کے سامنے آکر ختم کرے۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس آکر طواف کی دو رکعت پڑھے۔ مکّہ مکرمہ میں پہنچنے کے بعد بیت اللہ کا یہ پہلا طواف ہے جسے طواف القدوم کہتے ہیں

بہرحال اس طواف کے بعد صفا پر آئے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا مانگے۔ درود شریف پڑھے۔ تکبیر اور تلبیہ کہے پھر یہاں سے مروہ کی طرف جائے۔ مروہ پر بھی اسی طرح دعائیں مانگے۔ یہ اُس کا ایک چکر ہوگا۔ اس کے بعد صفا کی طرف جائے یہ اس کا دوسرا چکر ہوگا۔ اس طرح صفا اور مروہ کے سات چکر لگائے۔ آخری چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ ان سات چکروں کو "سَعْی" کہتے ہیں[2]

سعی بین الصفا والمروہ کے بعد وہ فارغ ہے۔ قیام گاہ پر آکر آرام کرے بازار میں گھومے پھرے۔ کوئی پابندی نہیں۔ اس کے بعد آٹھویں ذوالحجہ کو منیٰ میں جائے۔ وہیں ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھے۔ نویں کی فجر پڑھ کر منیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہو۔ ظہر سے لے کر مغرب تک میدانِ عرفات میں وقوف کرے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں یہیں جمع کر کے پڑھے۔ نویں ذوالحج کو میدانِ عرفات میں وقوف حج کا اہم ترین حصّہ ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ رہ جائے تو اس سال حج نہیں ہوگا۔ وادی عُرَنَہ جو عرفات کے پہلو میں ہے اُسے چھوڑ کر عرفہ کا سارا میدان مؤقف ہے[3]۔ ظہر اور عصر

[1] تمذی کتاب الحج باب الرمل من الحجر الی الحجر ص ۱۰۵ ، کشف الغمہ ص ۲۸۲ ÷ [2] :- سورۃ البقرہ : ۱۵۹ ÷
[3] :- ابن ماجہ کتاب الحج باب الموقوف بعرفات ص ۲۱۶ ÷

کی نماز سے فارغ ہو کر حج کرنے والا تلبیہ و تکبیر۔ ذکرِ الٰہی۔ استغفار اور دُعا میں مشغول رہے۔ جب سورج غروب ہو جائے تو عرفات سے چل کر "مزدلفہ" میں آجائے۔ وادی کو چھوڑ کر مزدلفہ کا باقی سارا میدان مؤقف ہے۔ یہاں عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھے۔ صبح کی نماز بہت سویرے پڑھی جائے۔ اس کے بعد مشعر الحرام کے قریب جا کر ذکرِ الٰہی کرے۔ تکبیر اور تلبیہ پر زور دے جب کچھ روشنی ہو جائے تو مزدلفہ سے چل کر واپس منیٰ میں آجائے۔ راستہ سے ستّر کنکریاں اُٹھا لے۔ جب منیٰ پہنچے تو سب سے پہلے جَمْرَۃُ الْعَقَبَہ کو رمی کرے۔ یعنی عقبہ نامی ٹیلے کو اللہ اکبر کہتے ہوئے سات کنکریاں مارے۔ پہلی کنکری کے ساتھ بار بار تلبیہ کہنے کا وجوب ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر اس کا ارادہ قربانی دینے کا ہے تو مذبح جا کر قربانی ذبح کرے[2] ورنہ اپنے بال کٹوا کر یا منڈوا کر احرام کھول دے۔ بال کٹوانے یا منڈوانے کو احرام کھولنا یا حلال ہونا کہتے ہیں۔ عورت احرام کھولنے کے لئے اپنے سر کی ایک دو مینڈھیاں قینچی سے کاٹ دے۔ اُس کے لئے سارے بال کٹوانا یا منڈوانا جائز نہیں۔ یہ دسویں

ذوالحجہ کا دن ہے ۔ حجاج کے لئے اس دن عید کی نماز نہیں ہے ۔ بہرحال احرام کھولنے کے بعد دسویں ذی الحجہ کو حج کرنے والا منیٰ سے مکہ آکر بیت اللہ کا طواف کرے ۔ یہ طواف بھی حج کا بنیادی رکن ہے ۔ اسی کو طواف زیارت اور طواف افاضہ کہتے ہیں ۔ طواف زیارت کے بعد حج کرنیوالے کے لئے وہ سب اشیاء جائز ہو جاتی ہیں جو احرام کی وجہ سے اس کے لئے ممنوع تھیں ۔

طواف زیارت سے فارغ ہو کر وہ پھر واپس منیٰ میں چلا جائے اور تین دن یہیں مقیم رہے ۔ منیٰ میں تین جمرے ہیں ۔ جمرۃ الاولیٰ ۔ جمرۃ الوسطیٰ ۔ جمرۃ العقبہ ۔ یہ جمرے جو پہلے چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں اب برجیوں کی شکل میں ہیں ۔

گیارہویں ذوالحجہ کو حج کرنے والا زوال کے بعد تینوں جمروں کو رمی کرے ۔ سب سے پہلے اس جمرے کو سات کنکر مارے جو مسجد الخیف کے پاس ہے اور جسے جمرۃ الاولیٰ کہتے ہیں ۔ اس کے بعد اس جمرہ کو سات کنکر مارے جو اس کے قریب ہے اور جسے جمرۃ الوسطیٰ کہتے ہیں ۔ آخر میں تیسرے جمرہ یعنی جمرۃ العقبہ کو سات کنکر مارے ۔

آپ کو یاد ہوگا کہ دسویں کو مزدلفہ سے واپسی کے بعد بھی اس جمرہ کو سات کنکر مارے گئے تھے ۔ بارہویں ذوالحجہ کو بھی گیارہویں کی طرح تینوں جمروں کو رمی کرے ۔ اس کے بعد اختیار ہے اگر کوئی چاہے تو تیرھویں تاریخ کو رمی کرنے کے لئے منیٰ میں قیام کرے ۔ اور چاہے تو :-

۱؎ : ابن ماجہ کتاب الحج باب الموقوف ۲؎ ۔ بقرہ : ۱۹۷ ۳؎ : مائدہ : ۹۸

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۔ ۱؎

پھر جو شخص جلدی کرے (اور) دو دنوں میں ہی واپس چلا جائے ، تو اسے کوئی گناہ نہیں ۔

کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بارہویں تاریخ کی رمی کے بعد مکہ واپس آجائے بہرحال بارہویں یا تیرھویں کو مکہ آکر واپسی کا طواف کرے ۔ یہ طواف ان کے لئے ہے جو کہ مکہ کے باشندے نہیں ہیں ۔ اور گھر واپس آنا چاہتے ہیں ۔ اس طواف کو "طواف الصدر" یا "طواف الوداع" کہتے ہیں ۔ الوداعی طواف سے فارغ ہو کر حج کرنے والا زمزم کا پانی پیئے ۔ دہلیز کعبہ کو چومے ۔ ملتزم پر اپنا سینہ رکھ کر رو رو کر دعائیں کرے ۔ استار کعبہ یعنی کعبے کے غلاف کو پکڑ کر اپنے مولیٰ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور اس سے بخشش کی التجا کرے ۔ پھر پچھلے پاؤں ہٹتے ہوئے اپنی آخری نگاہ شوق کعبہ پر ڈالے اور واپس آجائے ۔

عمرہ

بیت اللہ کے طواف اور سعی بین الصفا والمروہ کا نام عمرہ ہے اس کے لئے مکہ سے باہر کے مقام سے احرام باندھنا چاہیئے ۔ اس لئے مکہ میں رہنے والے لوگ عمرہ کے احرام کے لئے تنعیم جاتے ہیں اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ واپس آتے ہیں تاکہ اس عبادت کے لئے ایک گونہ سفر کی شرط پر عمل ہو جائے ۔ عمرہ کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ۔ سال کے کسی حصہ میں ادا کیا جا سکتا ہے ۔ البتہ نویں ذوالحجہ سے لے کر تیرہ ذوالحجہ تک ان چار دنوں میں عمرہ کا احرام باندھنا درست نہیں ۔ کیونکہ یہ حج ادا کرنے کے دن ہیں ۔

عمرہ کے احرام کھولنے کا بھی وہی طریق ہے جو حج کے احرام کھولنے کا ہے یعنی عمرہ کرنے کے بعد اپنے سر کے بال کٹوا دے یا منڈوا دے اور عورت ایک دو لٹیں کاٹ کر احرام کھولے ۔

حج کی اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں :- حج مفرد ۔ حج تمتع ۔ حج قران ۔

۱ ۔ حج مفرد کا طریق وہی ہے جو اوپر حج کرنے کا طریق کے عنوان کے تحت بیان ہوا ہے ۔

۲ ۔ حج تمتع ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج فَمَنْ

۱؎ ۔ بقرہ : ۲۰۴

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط ۱؎

پھر جب تم امن میں آجاؤ تو (اس وقت) جو شخص عمرہ کا فائدہ (ایسے) حج کے ساتھ ملا کر اٹھائے تو جو قربانی بھی آسانی سے مل سکے (کر دے) اور جو (کسی قربانی کی بھی توفیق) نہ پائے (اس پر) تین دن کے روزے تو حج (کے دنوں) میں (واجب) ہوں گے اور سات (روزے) جب (اے مسلمانو) تم (اپنے گھروں کو) واپس لوٹ آؤ ۔ یہ پورے دس ہوئے یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں ۔

اس آیت میں حج تمتع کا ذکر ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں سب سے پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ پہنچ کر عمرہ کرے اس کے بعد احرام کھول دے ۔ پھر آٹھویں ذوالحجہ یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھے اور اسی طریق کے مطابق حج کرے جو اوپر بیان ہو چکا ہے ۔ گویا حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کرنا اور اس کے بعد نئے احرام کے ساتھ حج کرنا تمتع کہلاتا ہے ۔

تمتع کے معنے فائدہ اٹھانے کے ہیں ۔ حج کرنے والا ایک ہی سفر سے دو فائدے اٹھاتا ہے عمرہ بھی کرتا ہے اور حج بھی ادا کرتا ہے حج مفرد کرنے والے کے لئے دسویں ذوالحجہ کو قربانی ضروری نہ تھی لیکن حج تمتع کرنے والے کے لئے قربانی ضروری ہے ۔ اس قربانی کو دم تمتع کہتے ہیں ۔ اگر قربانی نہ دے سکے تو اس کے بدلہ میں دس روزے رکھے ان میں سے تین حج کے دنوں میں یعنی سات ، آٹھ اور نو ذوالحجہ کو ۔ اور سات روزے واپس گھر آکر پورے کرے ۔

۳ ۔ حج قران اسے کہتے ہیں کہ شروع میں عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھے یعنی حج اور عمرہ دونوں کی نیت[۲] کرتے ہوئے تلبیہ کہے ۔ اس طرح احرام باندھنے والا جب مکہ پہنچے گا تو سب سے پہلے عمرہ کرے گا ۔ لیکن اس کے بعد احرام نہیں کھولے گا بلکہ اسی احرام کے ساتھ حج کے مناسک بھی ادا کرے گا ۔ اور جس طرح اس نے عمرہ کا اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھا تھا ۔ اسی طرح دسویں ذوالحجہ کو دونوں کا اکٹھا ہی احرام کھولے گا ۔

۱؎ ۔ سورۃ البقرہ : ۱۹۷ ۲؎ ۔ مثلاً یوں کہے ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِمَا ۔ ہدایہ صفحہ ۲۳۱ باب القران

متمتع کی طرح قران کرنے والے کے لئے بھی قربانی ضروری ہے ۔ اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو پھر مذکورہ بالا طریق کے مطابق وہ دس روزے رکھے ۔

جنایات حج

جنایۃ کوتاہی اور قانون کی خلاف ورزی کو کہتے ہیں ۔ حج کے خاص قاعدے اور قانون ہیں جو شخص ان کی خلاف ورزی کرے گا وہ زیر مواخذہ ہے جس کی تفصیل کتب حدیث و فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ مختصراً یہاں کچھ کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے :-

۱ ۔ محرم اگر کسی عذر کی بناء پر سلے ہوئے کپڑے پہن لے یا جوئیں پڑ جانے کی وجہ سے اسے سر منڈوانا پڑے تو اس کوتاہی کے تدارک کے طور پر وہ فدیہ ادا کرے ۔

فدیہ سے مراد روزے رکھنا یا غرباء کو صدقہ دینا یا قربانی ذبح کرنا ہے ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۔ ۱؎

تدارک کے لحاظ سے فدیہ کا مفہوم بالکل ویسا ہی ہے جیسے نماز میں غلطی کا تدارک سجدہ سہو کرنے سے کیا جاتا ہے ۔ ۲؎

۲ ۔ محرم اگر شکار کرے تو بطور کفارہ شکار کی مثل پالتو جانور ذبح کرے ۔ مثلاً ہرن مارا تو منیٰ کے مذبح میں بکرا یا چھترا ذبح کرے ۔ اور اگر شتر مرغ کا شکار کیا ہے تو اونٹ ذبح کرے ۔ اگر جانور ذبح نہ کر سکے تو چند مساکین کو کھانا کھلائے ۔ یہ بھی نہ کر سکے تو تین روزے رکھے ۔

بدلہ کا فیصلہ سمجھدار اور جانور کی قدر و قیمت جاننے والے دو ماہرین سے کرایا جا سکتا ہے ۔ فرمایا :-

ے :۔ البقرہ : ۱۹۷ ؛ ے :۔ محرم کے پاس اگر اَن سِلے کپڑے نہ ہوں اور نہ وہ بآسانی مہیا کرسکتا ہو تو وہ سِلے ہُوئے کپڑے پہن سکتا ہے۔ اس صورت میں فدیہ بھی ضروری نہ ہوگا ۔ رُوِیَ عَنْ ابنِ عباسؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اذا لَمْ یَجِدْ ازارًا فَلْیَلْبَسْ السَّرَاوِیْلَ وَاِذَا لَمْ یَجِدْ النَّعْلَیْنِ فَلْیَلْبَسِ الْخُفَّیْنِ والیقطعھما اسفل مِن الْکَعْبَیْنِ ۔ (ابوداؤد کتاب الحج باب ما یلبس المحرم ص۲۵۳ ج۱، ہدایہ کتاب الحج ص۱۹۹ ج۱) ؛

ے :۔ عن عبداللہ بن معقل قال قعدت الی کعب بن عجرۃ فی ھذا المسجد یعنی مسجد الکوفۃ فسالتہ عن فدیۃ من صیام فقال حُمِلْتُ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والقمل یتناثر علی وجھی فقال ما کُنْتُ اُرٰی اَنَّ الجھد بلغ بِکَ ھذا ۔ اما تجد شاۃً قلت لا قال صم ثلٰثۃ ایام او اطعم ستۃ مساکین نصف صاع من طعام و احلِق راسکَ فنزلت فیَّ خاصۃً ۔ (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فمن کان منکم مریضًا او بہ اذی من راسہ ص۶۴۸ ج۲) ؛

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ے

اے ایماندارو! تم احرام کی حالت میں شکار کو نہ مارا کرو ۔ اور تم میں سے جو شخص اسے جان بوجھ کر مارے گا تو جو چارپایہ اُس نے قتل کیا ہے اسی قسم کا جانور اسے بدلہ میں دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل انسان کریں گے اور جسے کعبہ تک قربانی کے لئے پہنچایا جانا ضروری ہوگا اور (اگر اس کی طاقت نہ ہو تو) کفارہ (ادا کرنا) ہوگا ۔ یعنی چند مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وہ (مجرم) اپنے کام کے بد انجام کو بھگتے ہاں جو (پہلے) گذر چکا ہے وہ اللہ نے معاف کر دیا ہے اور جو شخص پھر (ایسا) کرے گا اُسے اللہ (اُس کے جُرم کی) سزا دے گا اور اللہ غالب (اور بُرے کام کی) سزا دینے والا ہے ۔

بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے جائز کیا گیا ہے لیکن جب تک تم احرام کی حالت میں ہو (اس وقت تک) خشکی کا شکار تم پر حرام کیا گیا ہے اور تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کے حضور میں تمہیں اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا ۔ اللہ نے کعبہ یعنی محفوظ گھر (کو) لوگوں کی دائمی ترقی کا ذریعہ بنایا ہے اور (نیز) حرمت والے مہینے اور قربانی (کو) اور جن (جانوروں) کے گلے میں پٹہ ڈالا گیا ہو (ان کو بھی) یہ اس لئے کیا ہے کہ تم جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ ان سب کو جانتا ہے

ے :۔ مائدہ ۹۶ تا ۹۹ ؛

یاد رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں (بھی) سخت ہے ۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور مہربان (بھی) ہے ۔

احرام کی حالت میں طوافِ زیارت سے پہلے اگر اپنی بیوی سے مباشرت کر لے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور حج کے لئے اگلے سال آنا پڑے گا ۔ اس سال وہ حج کے بقیہ مناسک ادا تو کرے گا لیکن اس کا حج ادا نہیں ہوگا ۔ نیز بطور کفّارہ اُسے منیٰ کے مذبح میں اُونٹ بھی ذبح کرنا پڑے گا ۔

احصار

حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اگر کوئی ایسی روک پیدا ہو جائے کہ وہ مکہ جانے اور حج یا عمرہ کے مناسک ادا کرنے کے قابل نہ رہے مثلاً سخت بیمار ہو جائے یا دشمن آگے جانے نہ دے تو ایسا محرم "ھَدْی" (قربانی کا جانور) ذبح کرے اور اس کے بعد احرام کھولے ۔ یہ ھدی حرم میں ذبح ہونی چاہیئے ۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ ے

پھر اگر تم (کسی سبب سے حج اور عمرہ سے) روکے جاؤ تو جو قربانی میسر آئے (ذبح کرو) اور جب تک کہ قربانی اپنے مقام (پر نہ) پہنچ جائے اپنے سر نہ مونڈو ۔

ے : البقرہ : ۱۹۷ ؛

ماخوذ از فقہ احمدیہ صفحہ ۳۱۵ - ۳۳۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شہادت کے سربلندوں سے

یہ پوچھتا ہوں میں دنیا کے شرپسندوں سے
رکے بھی ہیں کبھی مولا کے کام بندوں سے؟
پڑا ہو واسطہ عقل و نظر کے اندھوں سے
تو کام کس طرح نکلے گا زہر خندوں سے؟
بجھے بھی ہیں کبھی سورج ہوا کے جھونکوں سے؟
ڈرے بھی ہیں کبھی طائر ہوا کے پھندوں سے؟
مٹا بھی ہے کبھی لکھا خدا کے ہاتھوں کا؟
چھلے بھی ہیں یہ نوشتے تمہارے رندوں سے؟
نہ کرسکا کوئی خوشبو اسیر زنداں میں
نہ عشق قابو میں آیا کبھی کمندوں سے!
سنے تو ہوں گے حسین و لطیف کے چرچے!
ملے تو ہوگے شہادت کے سربلندوں سے!
ہلا نہ دیں، یہ دعاؤں سے عرش مولا کا
حذر کرو مرے ربوہ کے دردمندوں سے
جو تم نہ کرسکے اربوں روپے کی دولت سے
وہ کام ہم نے کیا ہے حقیر چندوں سے

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)

ملاؤں کی فتنہ انگیزی اور شرپسندی کے نتیجہ میں رمضان کے مبارک مہینہ میں

مسجد احمدیہ بدّوملہی (پاکستان) سے

☆☆☆ کلمہ طیبہ کی تختی کو اکھیڑنے کے لئے پولیس کی مذموم کارروائی ☆☆☆

(رشید احمد چوہدری - پریس سیکرٹری)

پاکستانی مولویوں کی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے پاکستان پولیس کے فرائض میں یہ چیز بھی شامل ہو گئی ہے کہ وہ احمدیہ مساجد سے کلمہ مٹادیں۔ چنانچہ پاکستان کے طول و عرض میں اکثر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جہاں پولیس پہلے تو جماعت احمدیہ کے ممبران کو دھمکیاں دیتی ہے کہ وہ خود ہی اپنی مساجد سے کلمہ مٹا دیں مگر جب یہ جواب ملتا ہے کہ جان جاتی ہے تو جائے مگر ہم اپنے ہاتھوں سے کلمہ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ پھر دوسرا مرحلہ یہ آتا ہے کہ شر پسندوں کو اجازت دیں کہ وہ جماعت احمدیہ کی مسجد کو کلمہ سے محروم کر دیں۔ جماعت احمدیہ کے ممبران اس پر بھی راضی نہیں ہوتے اور ان کا جواب ہوتا ہے کہ پولیس وردی میں آئے اور کلمہ مٹائے تو اس صورت میں وہ کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔ چنانچہ اکثر جگھوں پر پولیس نے ہی یہ "کارنامہ" سرانجام دیا ہے۔

کچھ اسی طرح کا ایک واقعہ جماعت احمدیہ کی مسجد واقع بدوملہی (ضلع سیالکوٹ) کا ہے۔ ۱۰ر جون ۱۹۸۶ء کو بدوملہی کے چند شر پسند مولویوں اور ان کی حمایت کرنے والوں کے پرزور مطالبہ اور دباؤ کے پیش نظر ریذیڈنٹ مجسٹریٹ مہر محمد اکبر اور ایس۔ ایچ۔ او تھانہ رعیہ خاص کی سرکردگی میں پولیس نے بدوملہی کی مسجد سے کلمہ مٹایا تھا اور بڑی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ مگر کلمہ کے محافظوں نے ان کی خوشی پر جلد ہی پانی پھیر دیا اور کلمہ پہلے سے زیادہ شان کے ساتھ نظر آنے لگا۔ پھر تو یہ ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ کلمہ کے دشمن آتے اور پولیس کی مدد سے کلمہ مٹا جاتے اور کلمہ کے محافظ اٹھتے اور کلمہ کو دوبارہ اجاگر کر دیتے۔ یہ عمل ۱۹۸۶ء سے لے کر اب تک کوئی دس مرتبہ دہرایا گیا۔ بالآخر انتظامیہ نے مولویوں کو جواب دیا کہ ہم نے اتنی بار کلمہ مٹایا ہے ہمیں اور بھی کام ہیں جاؤ اور خود کلمہ مٹاؤ۔ اس طرح انتظامیہ کی جان بھی چھوٹ گئی اور مولویوں کو مسجد کے نزدیک آنے کی جرأت بھی نہ ہوئی۔ اور کلمہ طیبہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ مسجد احمدیہ کی پیشانی پر چمکتا رہا۔

کوئی تین ماہ قبل مسجد احمدیہ کی توسیع کا منصوبہ بنایا گیا۔ بیرونی گیٹ کو بھی بڑا کیا گیا اور اس کے اوپر سنگ مرمر کی تختی (۱۸×۶۳ انچ) پر کلمہ لکھوا کر نصب کر دیا گیا۔ اس کو دیکھ کر کلمہ کے دشمنوں کو سخت اذیت پہنچی اور ایک بار پھر "کلمہ ہٹاؤ" کی مہم شروع ہوئی۔ اس مہم کے سرکردہ مولوی غلام رسول بٹ، مولوی شفیق بھٹی، قاری نصر اللہ، مولوی عظمت اللہ سیفی، مولوی اختر علی، محمد نواز، غلام نبی ربانی اور فضل بٹ تھے جنہوں نے ڈپٹی کمشنر نارووال کو درخواست دی کہ احمدیوں نے اپنی عبادت گاہ پر کلمہ طیبہ لکھ رکھا ہے جس کی وجہ سے ان کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ یہ بھی لکھا کہ احمدی کھلم کھلا تبلیغ کرتے ہیں۔ اپنی عبادت گاہ میں مجالس سوال و جواب منعقد کرتے ہیں اور رمضان المبارک میں دیگر مسلمانوں کو بھی افطاری پر مدعو کرتے رہے ہیں۔

ڈپٹی کمشنر نارووال نے ریذیڈنٹ مجسٹریٹ اللہ دتہ وڑائچ کو تحقیقات کے لئے مقرر کیا جنہوں نے جماعت احمدیہ بدوملہی کے صدر خواجہ مسعود احمد کو بات چیت کے لئے بلدیہ بدوملہی کے دفتر میں طلب کیا اور کہا کہ آپ کے خلاف مندرجہ بالا مضمون کی درخواست موصول ہوئی ہے کیا یہ سب کچھ صحیح ہے؟ اور یہ کہ اس وجہ سے علاقہ میں نقص امن کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ مجالس سوال و جواب منعقد ہوتی ہیں مگر وہ ہم اپنی مسجد کے اندر تربیتی اغراض سے کرتے ہیں، کسی غیر کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ جہاں تک کلمہ کا تعلق ہے جب سے مسجد تعمیر ہوئی ہے اس کے گیٹ پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا جسے آپ لوگ مٹاتے رہے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ مقامی انچارج تھانہ اور چیئرمین ٹاؤن کمیٹی کی موجودگی میں فریقین کو بٹھا کر گفت و شنید کی جائے اور کوئی فیصلہ کیا جائے۔ اس اجلاس میں ٹاؤن کمیٹی کے وائس چیئرمین، بلدیہ کے ممبران اور شر پسند مولوی بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ موجود تھے۔ اور جماعت احمدیہ کے وفد میں مکرم چوہدری مبشر احمد صاحب باجوہ امیر ضلع نارووال کی سرکردگی میں کئی احباب موجود تھے۔ بعض شیعہ بااثر شخصیتیں بھی موجود تھیں۔ ایک شیعہ لیڈر نے انتظامیہ کے سربراہ سے سوال کیا کہ کیا ملک کے سارے قوانین صرف احمدیوں کو دبانے کے لئے ہیں یا کوئی ایسا قانون بھی ہے جس کی مدد سے ان افراد کے خلاف کارروائی کی جائے جو آئے دن مساجد کے لاؤڈ سپیکرز سے احمدیوں کو گالیاں نکالتے رہتے ہیں۔

انچارج تھانہ نے مولویوں کو خبردار کیا کہ آئندہ ایسا ہوا تو وہ ان کے خلاف قانونی کارروائی کرنے پر مجبور ہو گا۔ پھر مولویوں کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ مسجد سے کلمہ اتار لیا جائے۔ اور کہا کہ چونکہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے اس لئے وہ مسجد کو "مسجد" نہیں کہہ سکتے تو پھر کلمہ کیوں لکھتے ہیں۔ مولوی صاحبان نے دھمکی دی کہ ہم نے اپنا موقف انتظامیہ پر واضح کر دیا ہے اب انتظامیہ کا کام ہے کہ وہ قانون پر عمل کروائے۔

جماعت احمدیہ کے وفد کے امیر نے انتظامیہ پر واضح کر دیا کہ اگر آپ نے تختی کو اکھاڑنا ہی ہے تو سرکاری اور باوردی آدمی لے کر آئیں۔ ہم ان کے علاوہ کسی اور شخص کی مداخلت برداشت نہیں کریں گے۔

چنانچہ پولیس کی طرف سے مورخہ ۱۳ر جنوری ۱۹۹۹ء (۲۴ر رمضان المبارک) کو پیغام موصول ہوا کہ رات ۸ بجے کلمہ کی تختی کو اکھاڑا جائے گا۔ اسی دن بلدیہ کے چیئرمین اور انچارج پولیس چوکی نے فون پر یہ بھی کہا کہ چونکہ پولیس کے سپاہی یہ کام نہیں کر سکتے اس لئے ہمیں کوئی مستری فراہم کر دیں۔ جماعت احمدیہ نے جواب دیا کہ اس مذموم کام کے لئے تو ہم آپ سے کسی قسم کا تعاون کرنے کو تیار نہیں۔

چنانچہ رات نو بجے بدوملہی پولیس تھانہ کے انچارج ریاض چدھڑ، اسسٹنٹ انسپکٹر پولیس تہاور خان، چار پانچ پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ ایک مزدور پکڑ کر لے آئے۔ اور تقریباً پون گھنٹہ کی سر توڑ کوشش کے بعد کلمہ طیبہ کی تختی کو اکھاڑا گیا اور پھر دو تین سپاہیوں نے اسے پکڑ کر نیچے اتارا۔

اس مذموم کارروائی کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی کی گئی ہے۔ اس تمام کارروائی کے دوران مسجد میں موجود تمام احمدی "ہے دست قبلہ نما لا الٰہ الا اللہ" پڑھتے رہے۔ اور پولیس کے جانے کے بعد کلمہ طیبہ کی تختی کو مین گیٹ کے بالمقابل اندرونی دیوار پر نصب کر دیا گیا ہے۔

تبتّل خدا کی خاطر کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا نے جو کارخانۂ قدرت جاری فرمایا ہے اس سے انسان مستغنی ہو جائے

سچا صبر عبادت کے ذریعہ نصیب ہو سکتا ہے